چور اور
جاسوس
حالم: ثمرہ احمد

نمرہ احمد

حالم

تالیہ خواب میں فاتح کے سن باؤ والے گھر میں، خود کو ایڈم کے ساتھ خزانہ تلاش کرتے ہوئے دیکھتی ہے۔ فاتح تالیہ سے اپنی فائل کی واپسی کا مطالبہ کرتا ہے اور اسے اپنے گھر آنے سے منع کر دیتا ہے۔ تالیہ کو عصرہ سے پتا چلتا ہے کہ وہ سکہ ایڈم کے پاس ہے۔ ایڈم اسے ایک جیولر کو بیچ دیتا ہے۔ تالیہ اس کے حوالے سے اسے الجھا دیتی ہے اور جیولر کو بلیک میل کر کے سکہ نکلوا لیتی ہے، مگر سکہ اس کے ہاتھ میں دینے کے بجائے ایڈم اپنے قبضے میں کر لیتا ہے۔

فارض صاحب کے ذریعے فاتح کو حالم کا پتا چلتا ہے۔ فائل کی واپسی کے لیے حالم صبح تک کا وقت مانگتا ہے اور اس منصوبے میں فاتح کو بھی شامل کرتا ہے۔ فاتح اس کی باتوں سے متاثر ہو کر راضی ہو جاتا ہے۔ ایڈم پر سکے کا اسرار کھلتا ہے۔ حالم پتا چلا لیتا ہے کہ فائل اشعر کے آفس میں ہے۔

سمیع، تالیہ کو بلیک میل کرنے آتا ہے۔ بازار میں داتن، سمیع کو خوف زدہ کر دیتی ہے۔ حالم جان پہ کھیل کے اگلے روز ہی فائل اشعر کے سیف سے چرا کر لا دیتا ہے۔ فاتح، حالم سے بے حد متاثر ہوتا ہے۔

ایڈم کو تالیہ مشکوک لگتی ہے۔ وہ تالیہ کی گردن پہ نشان دیکھتا ہے تو اسے تاریخی کہانی یاد آ جاتی ہے اور وہ سمجھ جاتا ہے کہ تالیہ اس سکے کے پیچھے ہے جو ایڈم کے پاس ہے۔ عصرہ سے فاتح جھوٹ بولتا ہے۔ عصرہ کو فاتح اور اشعر دونوں پہ غصہ آتا ہے۔ فاتح سن باؤ کو بیچنے سے پہلے وہاں ایک دن گزارنے جاتا ہے۔ عصرہ، تالیہ کی فرمائش پہ اسے بھی بلا لیتی ہے۔ فاتح سن باؤ کے گھر کی کہانی سناتا ہے۔ تالیہ اس گھر کے کنویں کو دیکھ کر سمجھ جاتی ہے کہ خزانہ کہاں ہے۔ وہ فاتح سے اس گھر کو خریدنے کی خواہش کا اظہار کرتی ہے۔
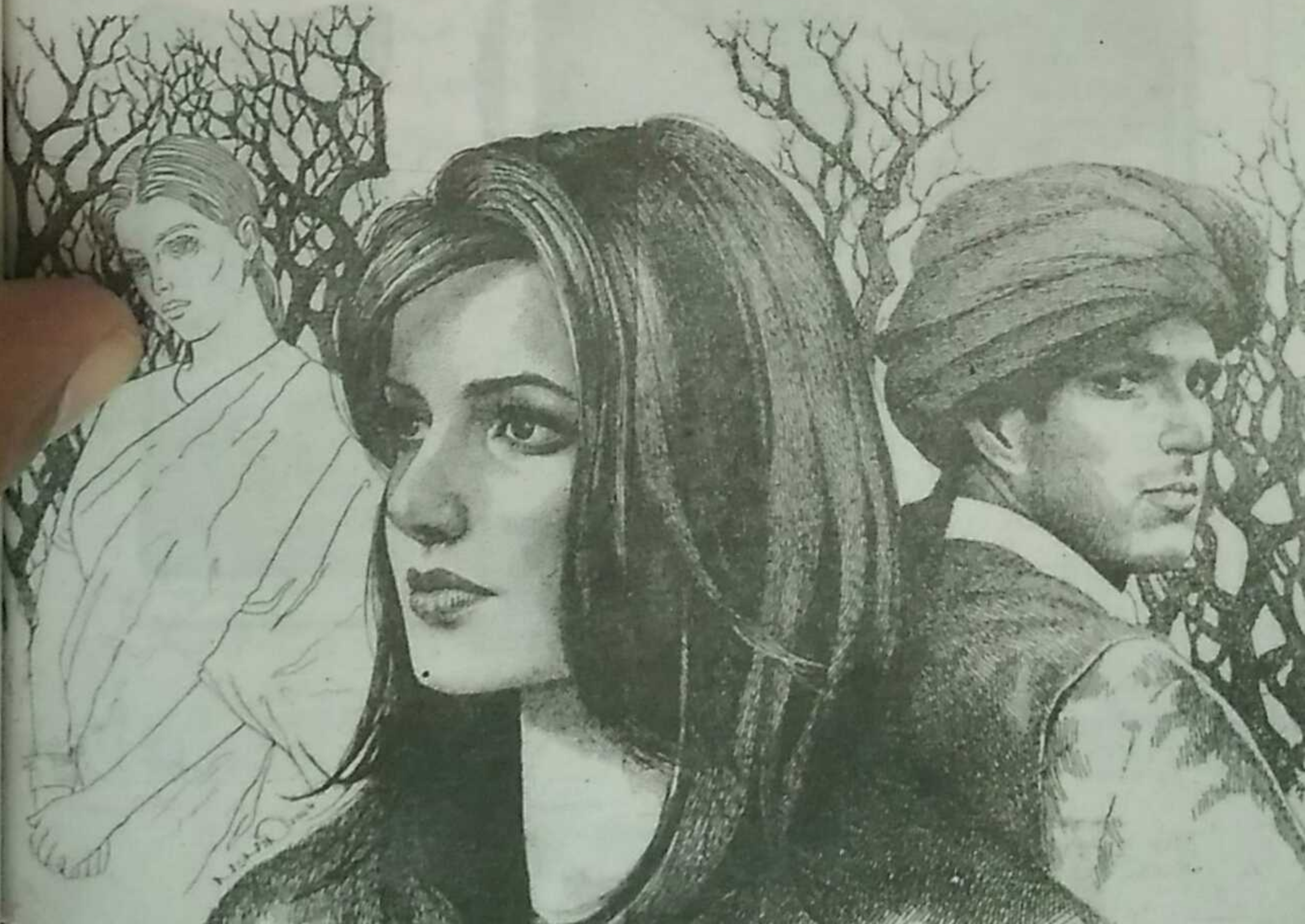
مگر وہ اسے بیچنے سے انکار کر دیتا ہے۔ فاتح کو یاد آتا ہے کہ وہ عصرہ اور بچوں کے ساتھ پہاڑوں کی سیر کو جاتا ہے، جہاں آریانہ کو اس کی آیا دھوکے سے اغوا کر لیتی ہے۔ فاتح، آریانہ کے گرائے ہوئے پاپ کارن کے ذریعے آریانہ کی لاش تک پہنچ جاتا ہے۔ آریانہ مزاحمت کے دوران پہاڑ سے گر کر ہلاک ہو جاتی ہے۔ اس کے اغوا کار بھی کھائی میں گر کر مر جاتے ہیں۔ فاتح آریانہ کی مسخ شدہ لاش دفنا دیتا ہے۔ اور اس کی موت کا کسی کو نہیں بتاتا، کیوں کہ وہ جانتا ہے کہ آریانہ کو صوفیہ رحمن نے اغوا کرایا تھا۔

ایڈم ملاکہ پہنچ جاتا ہے۔ ایڈم کو یقین دلانے کے لیے تالیہ بریسلیٹ اس کو دے دیتی ہے۔ ایڈم شک میں پڑ کر راستے میں فاتح کو سچ بتاتا ہے۔

تالیہ فاتح کے گھر میں خزانے کا راستہ تلاش کر لیتی ہے۔ فاتح اور ایڈم بھی پہنچ جاتے ہیں۔ فاتح اسے پولیس کے حوالے کرنا چاہتا ہے، مگر تالیہ خزانہ دیکھنے پر بضد ہوتی ہے۔ بالآخر تینوں بحث کے بعد ایک دروازے سے گزرتے ہیں۔ جہاں سے وہ ایک جنگل میں پہنچ جاتے ہیں۔ دروازہ غائب ہو جاتا ہے۔

راستے میں وہ ہی حالات پیش آتے ہیں جو تالیہ خواب میں دیکھ چکی ہے۔ اسے داتن کی باتوں میں سچائی نظر آنے لگتی ہے کہ وہ پندرہویں صدی کی لڑکی ہے جو وقت سے آگے نکل آئی تھی۔ خزانے کے لالچ میں، اور سچ کی تلاش میں تالیہ، فاتح اور ایڈم پرانے زمانے میں پہنچ جاتے ہیں۔

فاتح پر کھل جاتا ہے کہ تالیہ ہی حالم ہے۔ اب اس کا رویہ بدل جاتا ہے۔ وہ حالات سے گھبرانے کے بجائے جنگل سے نکلنے کا سوچتا ہے۔ اور از خود ان دونوں کا لیڈر بن جاتا ہے۔

جنگل میں تالیہ کو آگہی ملتی ہے۔ کہ شہزادی تاشہ اس کے گاؤں کے لوگوں پر ظلم ڈھا رہی ہے اور اس نے تالیہ کے بابا کو بھی قید کر لیا ہے۔ تالیہ کو شہزادی تاشہ سے نفرت محسوس ہوتی ہے۔ مگر ایڈم اور وان فاتح تاریخی کتابوں کے حوالے سے تاشہ کو جانتے ہیں۔ وہ دونوں تاشہ کی تعریف کرتے ہیں اور وان فاتح تاشہ کا فین ہے۔

وان فاتح کو اپنے ملک میں ہونے والے انتخابات کی بھی فکر ہے اس کا خیال ہے کہ مراد دوبارہ چابی بنا دے گا تو وہ واپس اپنے ملک چلے جائیں گے اس مقصد کے لیے قدیم ملاکہ جانا ضروری ہے۔

یہ لوگ رین فاریسٹ میں سے راستہ تلاش کر کے جنگل میں جاتے ہیں۔ جہاں تالیہ ہرن کا شکار کر کے اسے آگ پر بھونتی ہے۔ کھانے کی یہ خوشبو قدیم ملاکہ کے لوگوں کو متوجہ کر لیتی ہے۔ اور تین قدیم باشندے وان فاتح، ایڈم اور تالیہ کو زبردستی پکڑ کر اپنے ساتھ لے جاتے ہیں۔ ایسے میں تالیہ کو دوبارہ آگہی ملتی ہے جب وہ ملاکہ کے ایک یتیم خانے میں جانے کیسے پہنچ گئی تھی۔ وہاں کی انچارج مسز ماریہ نے اس کا بریسلیٹ اتار لیا تھا اور ایک سنار کو بیچ دیا تھا مگر وہ سنار کے لیے بدبختی لایا تھا۔ وہ پگھل نہیں رہا تھا۔ ساتھ ساتھ وہ دوسری مصیبتوں میں بھی مبتلا ہو گیا تھا۔ یتیم خانے کی میڈم اینگنس تالیہ پر چوری کا غلط الزام لگاتی ہے۔ اور اسی ضد میں تالیہ چوری کرنا اور زبردستی اپنا حق چھیننا سیکھتی ہے۔

یتیم خانے میں مسٹر ذوالکفلی آتے ہیں جو تھوڑا وقت بچوں کے ساتھ گزارنا چاہتے ہیں تاکہ اپنا من پسند بچہ ایڈاپٹ کریں۔ ان کا زیادہ وقت تالیہ مراد کے ساتھ گزرتا ہے۔ جو ہمہ وقت کسی پہاڑی پر محل کا اسکیچ بناتی ہے۔ ذوالکفلی اسے پیلے گلاب اور سکے کا ایک شعبدہ دکھا کر متاثر کرتے ہیں۔

ذوالکفلی ایک کون آرٹسٹ اور اسکامر ہے۔ وہ یتیم خانے میں بچہ ایڈاپٹ کرنے نہیں آیا تھا، بلکہ کسی جگہ نظر رکھنے آیا تھا اور موقع ملتے ہی وہاں سے ہیرا لے اڑا۔ پولیس تالیہ سے اس کا اسکیچ بنواتی ہے۔ تو وہ غلط اسکیچ بنا کر اسے بچا لیتی ہے۔

تالیہ کو بار بار یتیم خانے میں اپنے ساتھ ہونے والا برا سلوک یاد آتا ہے۔ اسے لاہور کے ایک گھر میں لے جایا جاتا ہے، جہاں اس پر اس فیملی کے دادا جی کے قتل کا جھوٹا الزام لگایا جاتا ہے۔ وہ سچائی ثابت کرنے میں ناکام ہو جاتی ہے۔ وہ ملائیشیا کو یاد کرتی ہے۔ جہاں اس نے بالآخر ذوالکفلی کو ڈھونڈ نکالا تھا اور احسان مندی کے طور پر ذوالکفلی نے اسے اپنا سارا ہنر سکھا دیا تھا۔

تالیہ، ایڈم اور فاتح کو ''ابوالخیر'' نامی آدمی کے کارندے ایک پنجرے میں قید کر کے گھوڑا گاڑی کے ذریعے قدیم ملاکہ کے شہر لے جاتے ہیں۔ تالیہ خود کو اور ایڈم کو آزاد کرا لیتی ہے۔ مگر فاتح کو آزاد کرانے سے پہلے اغوا کاروں کو خبر ہو

جاتی ہے۔ وہ دونوں فاتح کو چھوڑ کر فرار ہو جاتے ہیں۔ فاتح کو ایک قید خانے میں منتقل کر دیا جاتا ہے۔ جہاں ایک "الہو" قیدی کے ساتھ بیٹھ کر برا سلوک کیا جاتا ہے۔

قید میں فاتح کو ادراک ہوتا ہے، وہ ماضی میں کسی خاص مقصد سے بھیجا گیا ہے۔ وہ خود کو حالات کے رحم و کرم پہ چھوڑنے کے بجائے ان کا سامنا کرنے کے لیے تیار ہو جاتا ہے۔ تالیہ کی ذہانت سے وہ دونوں اپنے اغوا کاروں کو جُل دے کر بھیس بدل کر شہر میں ہی پھرتے ہیں۔ جہاں تالیہ پہ انکشاف ہوتا ہے کہ وہ خود شہزادی تاشہ ہے اور بنداہارا کی بیٹی ہے۔ بنداہارا مراد اپنے ساتھیوں سے غداری کر کے انہیں پکڑوا دیتا ہے اور خود بادشاہ سے جو اس کا ماموں زاد ہے مل جاتا ہے۔ تالیہ صدمے سے چور ہو کر خزانے کی چابی حاصل کر لیتی ہے اور وقت کا دروازہ پار کر جاتی ہے۔ راجہ مراد، تالیہ کو اپنی بیٹی تاشہ کی حیثیت سے تسلیم کر لیتا ہے۔

ایڈم، وان فاتح کو ابو الخیر کی غلامی میں کام کرتے ہوئے، موقع پا کر تالیہ کے بارے میں بتاتا ہے فاتح اسے تالیہ کی کہانی سمجھتا ہے تالیہ یہ جان کر غصے میں آ جاتی ہے اور طاقت کا مظاہرہ کرتے ہوئے تین بے گناہ افراد جن میں ایڈم بھی شامل ہے گرفتار کروا کے مختلف سزائیں دیتی ہے ایڈم کو شاہی کتب خانے میں کام کرنے کی سزا ملتی ہے۔

تالیہ کو اپنے باپ مراد کے خیالات جان کر دھچکا لگتا ہے۔ وہ ہر صورت چابی حاصل کر کے ملائشیا واپس آنا چاہتی ہے۔ مگر راجہ مراد بے جا طاقت کا اور ظلم کا مظاہرہ کر کے تالیہ کو خوفزدہ کر دیتا ہے۔ راجہ کی خاص کنیز شریفہ اس کی جاسوسی کرتی ہے۔ مگر تالیہ اس کی کمزوری پتا چلا کر اس کی وفاداری خرید لیتی ہے۔

ملکہ یان سوفو چینی بادشاہ کی بیٹی اور بادشاہ مرسل کی بیوی ہے مگر وہ ایک ظالم عورت ہے اور اس کے مقابل بنداہارا مراد ہے۔ جو بادشاہ کے فیصلوں پر اثر انداز ہوتا ہے۔

وان فاتح کو ابو الخیر اپنے باورچی خانے میں کام پر رکھ لیتا ہے۔ وہ اسے اچھی غذائیں کھانے کو دیتا ہے تاکہ نیلامی میں اس غلام کی اچھی قیمت ملے۔

تالیہ، فاتح سے ملاقات کا موقع نکال لیتی ہے۔ وہ جاننا چاہتی ہے کہ تاریخ میں اس نے کیا کارنامے انجام دیئے تھے مگر فاتح نہیں بتاتا۔ ایڈم "بنگارایا ملایو" کے رائٹر کا تھیلا چرا لیتا ہے۔ جس نے ابھی کتاب لکھنی شروع نہیں کی۔ تالیہ وہ تھیلا لیتی ہے۔

ابو الخیر شاہی خزانچی بننا چاہتا ہے، وہ بادشاہ کی دعوت کرتا ہے۔ جہاں ملکہ اور راجہ مراد بھی ہوتے ہیں۔ تالیہ بھی وہاں پہنچ جاتی ہے۔ بادشاہ اس سے متاثر ہوتا ہے۔ ملکہ یان سوفو "وانگ لی" کو شاہی خزانچی بنانا چاہتی ہے۔ مراد، ابو الخیر کو۔ وان فاتح، سن پاؤ کے وانگ لی سے متاثر ہے دعوت میں سن باؤ وانگ لی بھی موجود ہوتا ہے۔ ابو الخیر اس سے خطرہ محسوس کر کے فاتح کے ہاتھوں اسے زہر دلواتا ہے مگر فاتح وانگ لی کو خبردار کر دیتا ہے۔

فاتح، وانگ لی سے بے حد متاثر ہے اور اسے خزانچی دیکھنا چاہتا ہے مگر تالیہ ابو الخیر کو خزانچی بنانے کی سفارش کرتی ہے۔ فاتح کو یہ بات ناگوار گزریت ہے، تالیہ، ایڈم کو شاہی مؤرخ تعینات کرتی ہے۔ فاتح تمام غلاموں میں آزادی کا جذبہ جگاتا ہے اور اپنے ساتھ کا یقین دلاتا ہے۔ راجہ مراد تمام اہم عہدوں پر بادشاہ کو قائل کر کے اپنے آدمی تعینات کر دیتا ہے اور ہر ادارے کا کنٹرول اپنے ہاتھ میں لے لیتا ہے۔ تالیہ، شاہی مؤرخ سے اپنی جھوٹی تعریفیں لکھواتی ہے۔

تالیہ راجہ مراد کی غیر موجودگی میں اس کے خزانے کے کمرے کی تلاشی لیتی ہے تو اس پر انکشاف ہوتا ہے کہ راجہ خفیہ طور پر کمائی گئی دولت، کسی خفیہ جگہ پر چھپا کر رکھتا ہے۔ تالیہ، مسجد کے نام پر پیسہ حاصل کرنے کے لیے ابو الخیر سے ساز باز کر لیتی ہے۔ فاتح کو پتا چل جاتا ہے، وہ ناراض ہوتا ہے اور نیلامی میں وانگ لی کا غلام بننے کو ترجیح دیتا ہے۔ فاتح مستقبل کی باتیں بتا کر وانگ لی کو متاثر کرتا ہے۔

یان سوفو کے والد کو بادشاہ مرسل کی نظر لگ جاتی ہے، وہ اس کے توڑ کے لیے بادشاہ کا مستعمل غسل کا پانی

چاہتی ہے مگر شاہی طبیب آنا کافی کرتا ہے۔ تالیہ مداخلت کر کے طبیب کو ملکہ کا حکم ماننے پر مجبور کر دیتی ہے۔ ملکہ، تالیہ کی جاسوسی کرواتی ہے مگر تالیہ باتوں باتوں میں اس کا دل اپنی طرف سے صاف کر دیتی ہے۔ کے حوالے سے اس کے خدشات بھی دور کر کے واضح کرتی ہے کہ وہ اپنے محبوب کی خاطر ضرور واپس جائے گی۔ بادشاہ فاتح کے کہنے پر محمود مرفی، وانگ لی سے مدد چاہتا ہے مگر وہ انکار کر دیتا ہے۔ وانگ لی کے انکار سے اس کی شخصیت کا بت فاتح کے سامنے ٹوٹ جاتا ہے۔

راجہ مرسل تالیہ کے فن اور تالیہ سے متاثر ہو کر اس سے شادی کرنا چاہتا ہے۔ ایڈم کی زبانی یہ بات سن کر فاتح کا دماغ گھوم جاتا ہے۔ راجہ مراد کو شک ہو جاتا ہے کہ تالیہ اپنے ساتھ کسی مرد کو لائی ہے وہ اسے تلاش کرواتا ہے۔ تالیہ بھی یہ بات بھانپ لیتی ہے اور فاتحہ کو خبردار کرتی ہے۔ راجہ مرسل تالیہ کے باپ کو تالیہ کا رشتہ دیتا ہے۔ ملکہ یان سوفو کی کنیز یہ بات ملکہ کو بتاتی ہے۔

اٹھارہویں قسط

فاتح آنکھیں چھوٹی کر کے اس کو بغور دیکھ رہا تھا۔ ''سو تم بلیک مارکیٹ سے چیزیں خریدتی ہو۔ یہ جرم ہے۔ Tax evasion 'یونو'۔''

''میں نے یہ تو نہیں کہا کہ یہ پینٹنگ میں نے وہاں سے خریدی ہے۔'' وہ سچ بول رہی تھی۔

''ایک ہی بات ہے۔ خیر...... اگر یہ شہزادے جاسم کے ہاں سے چوری ہو ہی گئی تھی تو اس نے پولیس میں رپورٹ کیوں نہیں کی۔''

''رپورٹ کر کے وہ کیا کہتے؟ یہ وہ پینٹنگ ہے جو اس نے خود بلیک مارکیٹ سے خریدی تھی اور اس پہ کبھی ٹیکس ادا نہیں کیا۔''

''اچھا مان لیا کہ تمہاری پینٹنگ اصلی ہے' اور تم میری بیوی کو ایک اسکینڈل سے بچانے آئی ہو مگر تمہیں اس سے کیا فائدہ ہوگا؟''

''شاید آپ کو ہماری ملاقات کے آخر تک معلوم ہو جائے کہ میں پینٹر سے زیادہ بھی کچھ ہوں۔'' اس نے مسکرا کے کندھے اچکائے۔

فاتح نے بے رخی سے سر جھٹکا اور ساتھ رکھی سنگھار میز کے کنارے پہ جا بیٹھا۔ وہ بے زار ہونے کے ساتھ ساتھ مشکوک بھی لگ رہا تھا۔

تھوڑی دیر بعد عصرہ اور ایک معمر صاحب اس کمرے میں موجود تھے اور عصرہ کی گھائل غزال کا معائنہ کیا جا رہا تھا۔ عصرہ کی رنگت زرد تھی اور وہ اضطراب سے انگلیاں مروڑ رہی تھی۔ دفعتاً طٰہٰ صاحب نے سر اٹھایا اور سادگی سے عصرہ کو دیکھا۔

''یہ نقلی ہے۔''

عصرہ نے کرب سے آنکھیں میچیں۔ اب وہ صاحب بتا رہے تھے کہ کس طرح اس نقلی پینٹنگ کو غالباً کسی اوون میں بیک کر کے ایج کیا گیا تھا' پینٹ سال ڈیڑھ پرانا تھا۔

''اور یہ پینٹنگ؟'' تالیہ نے بیگ سے نکال کے چھوٹی سی پینٹنگ سامنے کی تو انہوں نے اسے احتیاط سے تھاما پھر اونچا کر کے دیکھا۔ پھر میز پہ رکھا اور اپنی ٹول کٹ کھول لی۔ عصرہ اب بالکل خاموشی سے سینے پہ بازو لپیٹے' لب بھینچے انہیں دیکھ رہی تھی۔

''یہ اصلی ہے۔ سو فیصد اصلی۔ یہ دیکھیں....''

ماہر نے پینٹنگ پہ جھکے جوش سے بتانا شروع کیا تو مڑ کے کونے پہ بیٹھا فاتح تیزی سے بولا۔

''شکریہ طٰہٰ صاحب۔''

ماہر کی بولتی بند ہو گئی۔ اس نے گہری سانس لی اور چیزیں سمیٹنے لگا۔

اس کے جاتے ہی عصرہ نے اپنی پینٹنگ اٹھائی اور زخمی نظروں سے اسے دیکھا۔

"اب یہ پینٹنگ نیلامی کے لیے نہیں جائے گی۔" اس نے پینٹنگ کو زور سے ردی کی ٹوکری میں پھینکا۔ چھناکے کی آواز آئی اور شیشہ چکنا چور ہو گیا۔

"اس طرح تو آپ کو کبھی معلوم نہیں ہو سکے گا کہ یہ سب آپ کے ساتھ کس نے کیا ہے!"

عصرہ نے بھیگی آنکھیں اٹھا کے اسے دیکھا۔

"میں نقلی پینٹنگ کو کیسے نیلامی پہ لگا سکتی ہوں؟"

تالیہ نے میز پہ رکھی اصلی پینٹنگ دو انگلیوں سے اس کی طرف دھکیلی۔

"آپ اس پینٹنگ کو نیلامی پہ لگا دیں۔ میں اس کی بولی لگاؤں گی۔"

"تم اپنی پینٹنگ خرید و گی؟"

"نہیں۔ آپ پہلے اس لڑکی کو بولی لگانے سے منع کریں گی جو غالباً کوئی عام سی ورکر ہے اور آپ نے اسے اچھا لباس اور زیور پہنا کے باہر معزز مہمانوں میں بٹھا رکھا ہے تاکہ وہ میرے مقابلے میں بولی لگائے اور قیمت بڑھائے۔"

فاتح کے کندھے سیدھے ہوئے۔ اس نے چونک کے عصرہ کو دیکھا۔ عصرہ کی پلکوں میں لرزش ہوئی۔ اس نے تھوک نگلا۔

"اتنے حیران مت ہوں فاتح صاحب۔ نیلامیوں میں اتنا تو چلتا ہے۔ اگر یہ معلوم ہو کہ کوئی امیر زادی ہر قیمت پہ نیلامی جیتنا چاہتی ہے تو اپنا بندہ بٹھا دیا جاتا ہے تاکہ وہ قیمت بڑھاتا جائے۔ شاید آپ نے کبھی کوئی نیلامی اٹینڈ کی ہو مگر آپ کو یاد نہ ہو۔" سرسری سا کہہ کے عصرہ کی طرف دیکھا۔

"جس نے بھی یہ کیا ہے اس کا خریدار بھی وہاں بیٹھا ہو گا۔ میں صرف قیمت بڑھاؤں گی اور وہ مجھ پہ سبقت لے جائے گا کیونکہ اس کو معلوم ہو گا کہ پینٹنگ نقلی ہے اور اسے قیمت نہیں ادا کرنی۔ لیکن اگر پینٹنگ اصلی نکل آئے تو قانوناً اس کو لازماً قیمت ادا کرنی ہو گی۔ نہ صرف آپ کو مالی فائدہ ہو گا بلکہ اس طرح کے کاروبار میں آپ اصل سازشی شخص کو ٹریس بھی کر سکتی ہیں۔"

عصرہ بے بس سی بیڈ کے کونے پہ جا بیٹھی اور سر دونوں ہاتھوں میں گرا دیا۔ اس کا دماغ ماؤف ہو رہا تھا۔

"اور تم مفت میں ہمیں اتنی قیمتی پینٹنگ دے دو گی؟" فاتح غور سے اس کی آنکھوں میں دیکھتا کھڑا ہوا اور سامنے آیا۔ اب وہ دونوں مدمقابل کھڑے تھے۔ تالیہ جتانے والے انداز میں مسکرائی۔

"مفت میں تو صرف پندرہویں صدی کے چائے خانوں میں غلاموں کے لیے کھانا ملا کرتا تھا' فاتح صاحب۔ دو ہزار سولہ میں مفت کچھ نہیں ملتا۔"

سر پکڑے بیٹھی عصرہ نے بے یقینی سے تالیہ کو دیکھا۔ "یعنی تمہیں کچھ چاہیے؟ کیا؟ نیلامی والی رقم؟"

"نہیں۔ چے تاشہ کو میرا گھر چاہیے۔" وہ اس کے چہرے کو بغور پڑھ رہا تھا۔

تالیہ کھلے دل سے مسکرائی۔ "آپ کا گھر اس پینٹنگ سے کافی مہنگا ہے' اس لیے آپ اسے مجھے نہ بیچیں۔ صرف کرائے پہ دے دیں۔"

"کرائے پہ؟" فاتح نے تعجب سے ابرو اچکائے۔ "تم اس کا کیا کرو گی؟"

"مجھے اس گھر میں بیٹھ کر ایک پینٹنگ بنانی ہے۔ آپ ایک ماہ کے لیے اسے مجھے کرائے پہ دے دیں اور اگر درمیان میں آپ اسے بیچنا بھی چاہیں تو میں وہ گھر خالی کر دوں گی۔ بھلے آپ اسے اگلے ہفتے ہی بیچ دیں۔"

"اور جب تک میں وہ گھر نہ بیچوں تم اسے استعمال کرتی رہو گی؟"

"جی۔ آج بیس جولائی ہے (اس کی آنکھوں میں جھانکا۔ اسے وہ تاریخ یاد نہ تھی۔) بیس اگست کو میں اسے خالی کر دوں گی۔ اگر میں آپ کی جگہ ہوتی تو ہاں کرنے میں دیر نہ لگاتی' فاتح صاحب۔"

"تم میری جگہ پہ نہیں ہو۔" وہ درشتی سے بولا تو تالیہ نے شانے اچکا دیے۔

''گھائل غزال آپ کی میز پہ ہے۔ میں اب باہر جارہی ہوں۔ اگر آپ نے اسے نیلامی پہ لگا دیا تو پارٹی کے اختتام پہ آپ گھر کی چابی میرے حوالے کر دیں گے۔''

''اور اگر میں ایسا نہ کروں۔ تو؟'' فاتح ماتھے پہ بل ڈالے پوچھ رہا تھا۔

''تو نہ کریں۔ ویسے بھی یہ پینٹنگ میں نے آپ کو نہیں دی' مسز عصرہ کو دی ہے۔ اسے میری طرف سے اس نیلامی کے لیے عطیہ سمجھ کر قبول کر لیں' جیسے عرب شہزادے سے قبول کی تھی۔'' اسی کے لہجے میں الفاظ لوٹا کے وہ مڑی اور باہر نکل گئی۔

اس کے جاتے ہی عصرہ تیزی سے کھڑی ہوئی۔ اس کے چہرے پہ بے حد پریشانی تھی۔

''فاتح۔'' اس نے جلدی سے فاتح کے دونوں ہاتھ تھامے اور اس کے سامنے آئی۔ آنکھوں میں آنسو تھے۔ ''اگر میں نے اب نیلامی سے پینٹنگ ہٹائی تو بہت بدنامی ہوگی۔ پلیز فاتح' گھر اس کو دے دو.... وہ کریزی سی سوشلائیٹ ہے۔ وہ اسی پہ خوش ہو جائے گی۔''

''تم اس لڑکی کے ساتھ کیسے کوئی سودا کر سکتی ہو جس نے میری فائل چرائی تھی۔''

''کیا پتا اس نے نہ چرائی ہو؟ اور وہ الگ بات ہے۔'' وہ جلدی سے بولی۔ فاتح نے جھنجھلاہٹ سے سر جھٹکا۔

''مجھے اس گھر کو بیچنا ہے' عصرہ!''

''وہ ایک ماہ میں گھر خالی کر دے گی' فاتح۔ اس کی بات کا اعتبار کرو' اس نے ہمیں اسکینڈل سے بچایا ہے۔ یا اللہ۔ ہم تباہ ہو سکتے تھے۔'' اس نے نم پیشانی کو چھوا۔ وہ اندر تک ہل گئی تھی۔

''ٹھیک ہے۔ میں اسے گھر دے دیتا ہوں' لیکن آج کے بعد تم کبھی بھی امریکہ جانے کی بات نہیں کرو گی۔ سنا تم نے؟''

عصرہ کچھ کہنے لگی' پھر سر ہلا دیا۔ ''جو تم کہو۔ بس ابھی مجھے اس پوزیشن سے نکالو۔''

''جمعے کو میں کاغذات نامزدگی جمع کروا رہا ہوں عصرہ۔ اور تم مجھے نہیں روکو گی۔ از دیٹ کلیئر!''

''تم بھی تالیہ کی طرح موقعے کا فائدہ اٹھا رہے ہو۔ واقعی۔ مفت میں کچھ نہیں ملتا لیکن خیر...'' عصرہ نے ٹھنڈی سانس بھری۔ ''مجھے ہر شرط منظور ہے۔''

''عصرہ تم راضی نہ ہو تب بھی۔ مجھے یہی کرنا ہے۔ اگر پینٹنگ نہ رکھی تو خواہ مخواہ باتیں بنیں گی اور ہم یہ نہیں جان سکیں گے کہ یہ کس کی حرکت ہے۔ دیکھو عصرہ....'' وہ چہرے پہ نرمی لائے اس کے ہاتھ تھامے سمجھانے لگا۔ ''تم کسی کو بھی پینٹنگ کے بدلے جانے کا نہیں بتاؤ گی۔ یہ جس نے بھی کیا ہے وہ پینٹنگ کے اصلی نکلنے پہ حیران ہوگا اور کسی طریقے سے تم سے اگلوانے کی کوشش کرے گا۔ وہ یقیناً کوئی قریبی دوست وغیرہ بھی ہو سکتا ہے۔''

''او کے' پھر؟'' وہ اس کی بات سمجھ رہی تھی۔

''تم غور کرنا کہ نیلامی کے بعد تم سے کون آکر غیر ضروری سوالات پوچھتا ہے۔ کوئی پوچھے گا عصرہ۔ کوئی ضرور پوچھے گا۔'' وہ اسے غور سے دیکھتا دھیرے دھیرے سمجھا رہا تھا اور عصرہ سمجھتے ہوئے سر ہلا رہی تھی۔

☆☆☆

''سو آپ نے سر درد کی دوا لینے کے بہانے جا کر ان کو سب بتا دیا۔ میں سمجھا آپ کے سر میں واقعی درد ہے اور آپ اندر تھوڑی دیر آرام کرنے گئی ہیں۔''

تقریب میں واپس آئے تو اسٹیج پہ نیلامی جاری تھی اور پہلی قطار میں بیٹھا ایڈم دانت پیستے ہوئے اس سے کہہ رہا تھا۔ ''آپ مجھے اپنا پلان بتا بھی سکتی تھیں لیکن نہیں۔ آپ ابھی تک خود کو شہزادی سمجھتی ہیں اور مجھے ایک غلام۔''

''اور بھگوڑا فوجی بھی۔'' اسٹیج کو دیکھتی تالیہ نے تصحیح کی۔

''مگر آپ نے ان کو اشعر کے بارے میں

یوں نہیں بتایا کہ یہ سب اسی کی سازش تھی؟'' ایڈم نے تالیوں کی گونج کے دوران سرگوشی کی۔ تالیہ نے جھیں گھما کے اسے گھورا۔

''اگر وہ اپنے دوست اور دشمن میں خود تفریق نہیں کر سکتے تو وہ اس قابل نہیں کہ ان کی مدد کی جائے۔''

ایڈم نے جواباً پتلیاں سکوڑ کے اسے گھورا۔ ''تاریخ گواہ ہے کہ آپ مجھے ہمیشہ اندھیرے میں رکھتی ہیں اس لیے اس کے پیچھے بھی کوئی اور وجہ ہو گی۔'' اور منہ بنا کے چہرہ سیدھا کر لیا۔

تقریب ختم ہوئی تو اندھیرا چھا رہا تھا۔ لان میں نصب تمام برقی قمقمے جلا دیے گئے تو سارے میں روشنی پھیل گئی۔ بوفے ٹیبلز پہ کھانا چن دیا گیا تھا اور مہمان اب ٹہلتے ہوئے کھانا لینے میں مصروف تھے۔

فاتح ایک ٹیبل کے سامنے کھڑا' پلیٹ اٹھائے ساتھ کھڑے ایک دوست سے بات کر رہا تھا۔ کھانا ڈال کے وہ مڑا تو دیکھا' سامنے ایڈم کھڑا ہے۔ فاتح مسکرایا اور بات ختم کر کے اس کی طرف متوجہ ہوا۔

''کیسے ہو ایڈم؟''

''کنفیوزڈ ہوں' سر۔ سوچا آپ سے ایک مشورہ مانگ لوں۔'' وہ متانت سے کہنے لگا۔

''پوچھو۔'' فاتح سلاد کے پتے کو کانٹے میں پھنسا رہا تھا۔ ایڈم کی نظریں سبز پتے پہ جھکیں تو اسے گھوڑے کو چارہ کھلاتے سیلف اسٹیم پہ لیکچر دیتا غلام فاتح یاد آیا۔ ماضی ہر قدم پہ ایسے کیوں یاد آتا ہے؟ بھول کیوں نہیں جاتا جیسے فاتح کو بھول گیا تھا؟

''ایک کام ہے جو میں کرنا ''جانتا'' ہوں اور مجھے اسی سے متعلق جاب ملے گی۔ مگر ایک کام ہے جو میں کرنا ''چاہتا'' ہوں مگر اس کام میں نوکری تلاش کرنا ناممکن سا لگتا ہے۔''

''کرنا کیا جانتے ہو اور کرنا کیا چاہتے ہو؟'' وہ اب پلیٹ پہ چہرہ جھکائے چاولوں کو سلاد میں مکس کر رہا تھا۔

''گارڈ بن سکتا ہوں بس۔ مگر مجھے لکھنے کا شوق ہے۔'' وہ جھینپ کے بولا۔ شرمندگی سی محسوس ہوئی تھی۔ فاتح نے چاولوں کا چمچ منہ میں رکھا اور چند لمحے خاموشی سے ان کو چبایا۔

''گارڈ کا کام کیا ہوتا ہے' ایڈم؟''

''اپنے مالک کی حفاظت کرنا۔''

''مگر کس طرح؟ ہاتھ سے' پستول تو وہ خطرے کی صورت میں نکالتا ہے' اس سے پہلے وہ سارا وقت کیا کرتا ہے؟''

ایڈم نے لمحے بھر کے لیے سوچا۔ ''وہ ماحول پہ گہری نظر رکھتا ہے اور اپنے مشاہدے سے ہر غیر معمولی بات کو نوٹس کرتا ہے۔''

''اور لکھنے والے کیا کرتے ہیں؟''

''وہ۔'' ایڈم اٹکا۔ ''وہ اپنے ماحول پہ گہری نظر رکھتے ہیں اور اپنے مشاہدے سے ہر غیر معمولی بات کو نوٹس کرتے ہیں۔'' الفاظ ادا کر کے جیسے وہ خود گم صم ہو گیا تھا۔

''مل گیا جواب؟'' فاتح مسکرا کے پلٹنے لگا' پھر مڑا اور اسے غور سے دیکھا۔

''مجھے یاد پڑتا ہے تمہارے پاس پستول بھی تھا۔ مگر تم نے اس دن ان لڑکوں پہ پستول نہیں اٹھایا۔ کیا تم واقعی اچھے گارڈ ہو؟''

ایڈم چونکا۔ پھر ہونقوں کی طرح اس کی شکل دیکھی۔ ''کون سے لڑکے؟''

''اس رات ملاکہ میں جن چور لڑکوں نے ہمیں روکا تھا اور مجھے زخمی کیا تھا۔ کیوں؟ تمہیں یاد نہیں؟ تم اس وقت میرے ساتھ تھے' ایڈم!''

وہ غور سے ایڈم کے تاثرات کو دیکھ رہا تھا۔ اسے یاد نہیں تھا' مگر ایڈم کو یاد ہونا چاہیے تھا۔ کیا واقعی وہی سب ہوا تھا جو اس نے پولیس کو ویڈیو میں بتایا تھا یا کچھ اور ہوا تھا؟ فاتح کے اندر جو چار دن سے کھٹک رہا تھا' وہ اب زور پکڑ رہا تھا۔

''مجھے' مجھے یاد ہے سر!'' ایڈم اٹک اٹک کے بولا۔ ''اور میں نے پستول نکالا تھا مگر آپ نے مجھے منع کیا تھا کہ میں.... گولی نہ چلاؤں۔'' وہ سچ کہہ رہا تھا۔

ذہن میں جنگل کا منظر گھوم رہا تھا جب قدیم ملاکہ میں وہ غیر مانوس زبان بولنے والے لوگ ان کے گرد گھیرا ڈالے کھڑے تھے۔ اس نے پستول نکالا تھا مگر فاتح نے اسے ہتھیار ڈالنے کا کہہ دیا تھا۔

"کیا آپ کو نہیں یاد سر؟" اب کے ایڈم نے غور سے اسے دیکھا۔

فاتح نے سر جھٹکا۔ "مجھے کیوں یاد نہیں ہوگا۔" پھر بات پلٹ دی۔ "تم اچھے گارڈ ہو مگر کام وہ کرو جو تمہارے دل کو پسند ہو۔" سرسری سا کہتا وہ مڑ گیا۔ اندر کی کھٹک خاموش ہوگئی۔ سب ویسا ہی ہوا تھا یقیناً بس اسے یاد نہ تھا۔

"تعجب کی بات ہے، کسی کو گھائل غزال پہ کیسے شک ہو سکتا ہے۔" عصرہ اور تالیہ ایک بوفے ٹیبل کے ساتھ کھڑی تھیں جب اشعر کی آواز نے دونوں کو چونکایا۔ تالیہ نے گردن موڑی تو وہ اپنی بہن کو مخاطب کرتا قریب آرہا تھا، ایک مسکراتی نظر تالیہ پہ ڈال کے سلام میں سر کو جنبش دی۔ "کیسی ہیں آپ چے تالیہ؟"

"ہمیشہ کی طرح چوکنی اور ہوشیار!" وہ اس کی آنکھوں میں جھانک کے بولی۔ وہ ہلکا سا ہنسا۔ سرمئی سوٹ اور ٹائی میں ملبوس، اس نے اپنے وجیہہ چہرے پہ ایسی مصنوعی مسکراہٹ سجا رکھی تھی جس کی ایک لکیر بھی مدھم نہ پڑتی تھی۔

"کاکا.... یہ کیا حرکت تھی تمہارے خریدار کی؟ وہ تم پہ شک کیوں کر رہا تھا؟" وہ پھر سے موضوع کی طرف آیا۔

عصرہ جو پلیٹ پکڑے کھڑی تھی، ذرا متذبذب ہوئی۔ سیاہ رات میں اس کے چمچماتے لباس کے باوجود ایک دم مرجھا جانے والا چہرہ چھپ نہ سکا۔

"وہ..... شاید....." (اسے فاتح کی تنبیہہ یاد آئی۔)

"میں بتاتی ہوں۔" تالیہ نے دھیمی آواز میں سرگوشی کی۔ "جو گھائل غزال مسز عصرہ کو کسی نے تحفے میں دی، وہ نقلی تھی کیونکہ اصلی گھائل غزال کافی عرصہ قبل بلیک مارکیٹ میں بک چکی ہے۔ عرب شہزادہ بھی نقلی تھا اور ماہرین بھی۔ سو میں نے مسز عصرہ کو اصلی پینٹنگ لادی اور نقلی کو ہم نے ڈسٹ بن میں پھینک دیا۔"

اشعر لمحے بھر کو سُن ہو گیا۔ پھر آنکھوں میں تشویش ابھری۔ فوراً عصرہ کو دیکھا جو متذبذب نظر آ رہی تھی۔ "کاکا' کیا یہ سچ ہے؟"

"اشعر آپ کے بھائی ہیں مسز عصرہ۔" تالیہ نے تادیبی نظروں سے اسے گھورا۔ "وہ آپ کی فیملی ہیں۔ ان کو نہیں بتائیں گی تو کسے بتائیں گی کہ کتنے بڑے کرائسز سے آپ لوگ بال بال بچے ہیں۔"

عصرہ کے سارے بوجھ جیسے ہلکے ہو گئے۔ وہ نم آنکھوں سے مسکرادی اور فوراً۔ اشعر کی طرف متوجہ ہوئی۔ اب وہ تیزی سے اس کو ساری بات بتا رہی تھی اور وہ تشویش سے سن رہا تھا۔

تالیہ ان کو چھوڑ کر گھر کے بیرونی حصے کے سامنے آئی جہاں وان فاتح چلا آ رہا تھا۔ اس نے تالیہ کو قریب آنے کا اشارہ کیا تو وہ مسکراہٹ دبائے چلی آئی۔

"جی تو...." (تو انکو کہتے کہتے رکی۔) "جی فاتح صاحب۔" مسکراہٹ سمٹی۔ یہ وہ شخص نہیں تھا جو بالائی منزل کی کھڑکی سے اسے دیکھتا تھا جب وہ اس قدیم صحن میں مجسمہ بنا رہی ہوتی تھی۔ یہ کوئی اور شخص تھا۔

فاتح نے مٹھی میں بند ایک چابی اس کی طرف بڑھائی۔ جسے تالیہ نے تھام لیا۔

"تم نے آج جو بھی کیا، اپنی مرضی سے کیا۔ یہ مت سمجھنا کہ میں اس کا احسان رکھوں گا یا مجھے اس کی ضرورت تھی۔ میری رائے تمہارے متعلق اب بھی وہی ہے، تاشہ۔ تم کبھی سیدھی بات نہیں کرتیں۔ پتا نہیں اب تمہیں میرا گھر کیوں چاہیے۔ لیکن...." اس کے مقابل کھڑے اس کی آنکھوں میں دیکھ کے تنبیہہ کی۔ "اگر میرے گھر کے ایک انچ کو بھی نقصان پہنچا تو میں تمہیں وہاں سے فارغ کرنے میں دیر نہیں لگاؤں گا۔"

اس کو کھری کھری سنا کے فاتح کی نظر اس کے عقب میں پڑی جہاں بوفے ٹیبل کے ساتھ عصرہ اور

اشعر کھڑے سرگوشیوں میں بات کر رہے تھے۔ فاتح کی پیشانی پہ بل پڑے۔

"بے فکر رہیں۔ اشعر صاحب آپ کی فیملی ہیں۔ اس لیے میں نے پینٹنگ والا معاملہ ان کو بتا دیا۔ آخر ایسے موقع پہ فیملی کام نہیں آئے گی تو کون آئے گا' ہوں؟" طنزیہ مسکراہٹ کے ساتھ کہہ کے آگے بڑھ گئی۔ فاتح نے بہت ضبط سے اسے دور جاتے دیکھا اور پھر عصرہ اور اشعر کو۔

اس کا سارا موڈ خراب ہو چکا تھا۔

☆☆☆

حالم کے بنگلے پہ اندھیرا چھایا تھا۔ کالونی کے دوسرے گھروں کی بتیاں روشن تھیں مگر آج داتن نہیں تھی' اس لیے تالیہ کے پورچ کی بتی بجھی تھی۔ اس نے کار اندر کھڑی کی اور پھر پرس کہنی پہ ٹکائے سست روی سے باہر نکلی۔ موبائل پہ ساتھ ہی کچھ ٹائپ کرتے سوئچ بورڈ پہ ہاتھ مارا تو سارا پورچ روشن ہو گیا۔

وہ موبائل پہ چہرہ جھکائے گیٹ بند کرنے پیچھے آئی تو کسی احساس کے تحت گردن اٹھائی۔

گیٹ کے اندر کی طرف سمیع کھڑا تھا۔ سینے پہ بازو لپیٹے' کھچڑی بالوں کو پی کیپ سے ڈھانکے' سانولی رنگت والا سمیع اس کو گھور رہا تھا۔

تالیہ بالکل ٹھہر کے اسے دیکھنے لگی۔

"اگر تمہیں لگتا ہے کہ تم اس موٹی عورت کو بھیج کے' مجھے ڈرا دھمکا کے خاموش کروا دو گی تو یہ تمہاری بھول ہے۔" وہ اپنی چمکتی سیاہ آنکھوں سے اسے گھورتے ہوئے کہہ رہا تھا۔ "میں پیچھے ہٹنے والوں میں سے نہیں ہوں۔"

پھر ایک قدم آگے آیا اور سینے پہ لپٹے ہاتھ کھول کر دونوں پہلوؤں پہ رکھے۔

"میں تمہارے ماضی سے واقف ہوں۔ جو تم یہاں مرحوم امیر باپ کی بیٹی بنی پھر رہی ہونا' جس کو ترکے میں اتنی دولت مل گئی' میں جانتا ہوں کہ تم یہ نہیں ہو۔ تمہارے اشعر محمود کے خاندان میں جتنے چکر لگ رہے ہیں' امید ہے جلد وہ تمہیں اپنا حصہ بنا لیں گے لیکن......"

وہ دانت پیس کے ٹھہر ٹھہر کے بول رہا تھا۔ تالیہ بنا پلک جھپکے اسے دیکھے گئی۔

"اگر ان کو یہ معلوم ہو جائے کہ تم ایک فیک ہو۔ ایک یتیم خانے سے نوکرانی کے طور پہ ایڈاپٹ کی جانے والی لڑکی جس کو بوجھ کی طرح اس کے فوسٹر پیرنٹس نے اتار پھینکا تھا' اور جس کی پہلے ہی شادی ہو چکی ہے مگر طلاق کا کوئی ثبوت نہیں ہے اور جانے کن کن طریقوں سے تم نے یہ دولت بنائی ہے۔" تحقیر سے سر سے پیر تک ہاتھ سے اشارہ کیا۔

"تو وہ تمہیں فوراً اسے دور کر دیں گے۔ تمہاری ساری عزت ختم ہو جائے گی۔ اس لیے بہتر ہے کہ تم مجھے میرا اشیئر دو۔"

کالونی کی مدھم روشنیوں اور خالی سڑک سے ہٹ کے' وہ دونوں تالیہ کے گیٹ کے اندر آمنے سامنے کھڑے تھے۔ وہ کچھ بھی بولے بنا اسے سنتے ہوئے وقفے وقفے سے پلکیں جھپکتی تھی۔

"تمہیں ملائیشیا میں لایا تھا۔ تمہاری اس ترقی میں میرا بھی ہاتھ ہے۔ مجھے.... اپنا حصہ.... چاہیے۔" دانت کچکچاتے ہوئے بولا۔

چند ثانیے کے لیے پورچ میں سناٹا چھا گیا۔ سمیع نے دیکھا' وہ بس اسے دیکھے جا رہی ہے.... دیکھے جا رہی ہے اور پھر..... ایک دم...... وہ ہنس پڑی۔

"یا اللہ سمیع....." وہ گردن پیچھے پھینک کے ہنستی جا رہی تھی۔ سمیع کے تاثرات بدلے۔ مسکراہٹ غائب ہوئی۔

"تم میرا حصہ......"

"تم کتنے فنی ہو سمیع۔" بامشکل ہنسی روک کے اس نے سمیع کو دیکھا تو آنکھوں میں بے تحاشا ہنسنے کے باعث پانی آ گیا تھا۔

"میں تو تمہیں بھول ہی گئی تھی۔ اتنا عرصہ ہو گیا تمہاری شکل دیکھے، مگر یا اللہ سمیع...... تم تو ابھی تک وہیں ہو۔" وہ پھر سے ہنس دی۔

"تم مجھے جانتی نہیں ہو' تالیہ۔" وہ غرایا۔

"اونہوں۔" اس نے انگلیوں سے نم آنکھیں رگڑیں۔ "بلکہ تم مجھے نہیں جانتے۔" اس کی آنکھوں میں دیکھ کے طمانیت سے مسکرائی اور دو قدم آگے آئی' پھر چہرہ اس کے قریب جھکایا اور سرگوشی کی۔

"تالیہ نے ٹوٹے جوتوں کے ساتھ جنگلوں میں سفر کیا ہے۔ اس نے کچے جانور ان دانتوں سے کھائے ہیں۔ وہ رسیاں تڑوا کے انسانی پنجروں سے اندھیری رات کو نکل کے بھاگ گئی تھی۔ اس نے اپنے گدھ جیسے باپ کو ان انگلیوں پہ نچایا ہوا ہے۔ اسے وقت کے امراء اور روساء کے خلاف کھڑا ہونا بھی آتا ہے اور اسے تنہا سمندروں کا سینہ چیر کے وحشی جزیروں کو سر کرنا بھی آتا ہے۔ وہ ایک دنیا پہ حکومت کر کے آئی ہے سمیع اور تم ابھی وہیں کھڑے ہو۔"

وہ بھنویں بھینچے اسے دیکھ رہا تھا۔ یہ باتیں اس کی سمجھ میں نہیں آئی تھیں۔

"جو تالیہ تم سے ڈرتی تھی' وہ کہیں پیچھے رہ گئی۔ جو تمہارے سامنے کھڑی ہے' اسے کچھ کھونے کا خوف نہیں ہے۔ جاؤ' جس کو جو بتانا ہے' بتادو۔" پھر ہاتھ اٹھا کے انگلیاں ہلائیں۔ "Bubye۔"

"ٹھیک ہے۔ اب میں تمہیں وارننگ نہیں دوں گا۔ اب میں جو کروں گا' وہ تم دیکھ لوگی۔" وہ تنفر سے اسے دیکھتا مڑا اور باہر نکل گیا۔

تالیہ نے مسکرا کے گیٹ بند کیا اور دروازے کی طرف بڑھ گئی۔

لاؤنج تنہا ویران پڑا تھا۔ اس نے بتیاں جلائیں اور بڑے صوفے پہ بیٹھ گئی۔ پیر میز پہ رکھ دیے اور موبائل کھول لیا۔

"آج آپ سے ٹھیک سے ملاقات نہیں ہو سکی۔ کیا ہم دوبارہ مل سکتے ہیں۔" اشعر کا پیغام جگمگا رہا تھا۔

"شیور' اشعر صاحب۔ صبح ناشتے پہ ملتے ہیں۔"

اشعر کو شاید اتنی جلدی مثبت جواب کی توقع نہ تھی۔ اس نے فوراً پوچھا۔

"کہاں؟"

"صبح بتاؤں گی۔" اس نے فون پرے ڈال دیا۔ ایک دم فون کی گھنٹی بجی تو اس نے مسکرا کے فون اٹھایا مگر پھر چونکی۔ بجنے والا فون یہ نہیں تھا۔

تالیہ ایک دم سیدھی ہوئی اور پرس میں ہاتھ ڈالا۔ دوسرا فون نکالا جو "حالم" کا تھا۔ آج ہی اس نے یہ دوبارہ ایکٹو کروایا تھا۔

اس پہ غیر شناسا نمبر جگمگا رہا تھا۔ شاید حالم کا کوئی کلائنٹ تھا۔ تالیہ نے فون کان سے لگایا۔ "ہیلو؟"

"السلام علیکم! وان فاتح بات کر رہا ہوں۔ یہ میرا نیا نمبر ہے۔ کیا ہم تھوڑی بات کر سکتے ہیں حالم؟"

تالیہ لمحے بھر کو بالکل سُن رہ گئی۔

اس سارے گورکھ دھندے میں اسے ایک بات بالکل بھول گئی تھی۔

اگر وان فاتح تالیہ کی ساری اچھائیاں بھول چکا ہے تو اسے حالم کی شناخت بھی یاد نہیں رہی تھی۔

وہ تالیہ پہ اعتبار نہیں کرتا تھا' مگر حالم پہ کرتا تھا۔

"شیور' فاتح صاحب۔" اس نے ٹیک لگائی اور پیر لمبے کر کے قینچی صورت میز پہ رکھے' پھر سنہری لٹ کو انگلی پہ مروڑتی' چھت پہ چمکتے فانوس کو دیکھتے ہوئے بولی۔ "حالم آپ کے لیے کیا کر سکتا ہے؟"

کھیل تو ابھی شروع ہوا تھا۔

☆☆☆

وان فاتح کے گھر کے لان کا منظر بدلا ہوا [تھا]۔ کیٹرنگ والے ہر چیز صاف کر کے جاچکے تھے اور لان اصلی حالت میں واپس آچکا تھا۔ اندر لاؤنج میں سناٹا تھا۔ گھر ذرا بکھرا ہوا لگ رہا تھا۔ ایسے میں فاتح اپنے کمرے سے نکلا۔ رات کی مناسبت سے اس نے ٹراوزر پہ سادہ ٹی شرٹ پہن رکھی تھی اور پیروں میں سلیپرز تھے۔

وہ عصرہ کے ادھ کھلے دروازے پہ رکا اور دستک دی۔

سامنے عصرہ میز پہ کاغذ اور لیپ ٹاپ پھیلائے حساب کتاب میں سر دیے بیٹھی تھی۔ آہٹ پہ سر اٹھایا اور مسکرائی۔ "تقریباً سب کچھ بک گیا۔ نیلامی نفع بخش رہی۔ تھینکس ٹو تالیہ۔"

"وہی تالیہ جس نے تمہارے بقول ہماری فائل چرائی تھی۔"

عصرہ لمحے بھر کو خاموش ہوئی، پھر کندھے اچکا دیے۔ "اپنی آنکھوں سے تو میں نے نہیں دیکھا تھا اسے فائل چراتے ہوئے۔ میں نے تو صرف کہا تھا کہ وہ اپنی کار لینے ہمارے گھر ہماری غیر موجودگی میں آئی تھی۔ تم نے ہی فرض کر لیا تھا کہ فائل اس نے چرائی ہو گی۔"

"خیر..... فائل میرے پاس واپس آ گئی ہے اس لیے میں اس قصے کو فی الوقت نہیں چھیڑ رہا۔" پھر وہیں چوکھٹ پہ ہاتھ رکھے رکھے ٹھہرا۔ "امید ہے تم اپنا وعدہ یاد رکھو گی۔"

"میں نے امریکہ جانے کی بات نہ کرنے کا [illegible] یا تھا، فاتح۔ تمہارے کسی بھی الیکشن میں تمہیں سپورٹ کرنے کا نہیں۔ اس کی توقع مجھ سے نہ رکھنا۔" وہ قطعی انداز میں بولی۔

"شب بخیر، عصرہ!" اس نے ڈور ناب سے دروازہ اپنی طرف کھینچا اور اسے بند کر دیا۔ چہرے پہ گہری سوچ کا عکس پھیل گیا۔

کچھ دیر بعد وہ اوپر اسٹڈی کی کھڑکی میں کھڑا تھا۔ ٹھنڈے شیشے پہ ایک ہاتھ رکھے، دوسرے سے موبائل کان سے لگائے وہ نیچے نظر آتی اندھیر کالونی کو دیکھتے حالم کو سن رہا تھا۔

"حالم آپ کے لیے کیا کر سکتا ہے، فاتح صاحب؟"

"تم نے مجھے کہا تھا کہ میری فائل تالیہ نے چرائی تھی۔ کیا تمہیں یقین ہے؟"

[illegible] بنا توقف کے حالم کی مردانہ آواز گونجی۔ "تمام [illegible] وہ اس کی طرف ہی اشارہ کرتے ہیں۔ یہ آپ [illegible] ی ملازم کی حرکت نہیں ہے۔ صرف تالیہ مراد وہ اجنبی تھی جو آپ کے گھر آئی تھی اور جو اشعر محمود کے گھر اور آفس بھی آتی جاتی رہی تھی۔"

"ہوں۔ میرا بھی یہی خیال ہے۔ لیکن کیوں، حالم؟ سن باؤ کے گھر میں ایسا کیا ہے جو اس کو چاہیے؟"

"میں پتا کر کے بتا سکتا ہوں۔"

"نہیں تم اس کو چھوڑو۔ ایک آدمی کی تفصیلات تمہیں بھیج رہا ہوں۔ اس نے میری بیوی سے گھائل غزال خریدی ہے، مگر وہ پینٹنگ دراصل....." اس نے مختصراً سارا واقعہ کہہ سنایا۔

"ٹھیک ہے، سر۔ میں اس آدمی کو چیک کرتا ہوں۔ آپ کو کس پہ شک ہے۔"

"پچھلی دفعہ میں نے تالیہ مراد پہ شک کا اظہار کیا تو تم نے بھی اسی کا نام لے دیا۔ اس لیے میں اپنا شک محفوظ رکھوں گا۔ مجھے ثبوت چاہیے۔" وہ نرمی سے کہہ رہا تھا اور اس نرمی کے اندر خشکی بھی تھی۔

"آپ مجھے ہمیشہ مخلص اور نیک نیت پائیں گے، فاتح صاحب۔" پھر حالم نے توقف کیا۔

"کچھ اور؟"

"اتوار کی رات ملاکہ میں میرے ساتھ ایک حادثہ ہوا ہے۔"

"کیسا حادثہ؟"

"تم انویسٹی گیٹر ہو، حالم۔ تم تحقیقات کر کے مجھے بمع ثبوت آگاہ کرو کہ میرے ساتھ اتوار کی رات کیا ہوا تھا اور کس نے کیا تھا؟"

"کیوں؟ کیا آپ کو نہیں یاد کہ آپ کے ساتھ کیا ہوا تھا؟"

"اگر میں کہوں کہ ایک پوری رات میری یادداشت سے محو ہو چکی ہے تو تم کیا کہو گے؟"

"یہی کہ آپ ایک سچے انسان ہیں۔"

اور کال کٹ گئی۔

فاتح نے کھڑکی سے ہاتھ ہٹایا تو اس پہ پانچ انگلیوں کا نشان ثبت ہو چکا تھا۔ اس نے گہری سانس لی تو دھواں سا شیشے پہ بکھر گیا اور وہ نشان دھندلا ہو گیا۔ دھندلے شیشے کے پار نیچے سیاہ رات میں ڈوبی کالونی خاموشی سے وقت گزرنے کا انتظار کرتی رہی۔

☆☆☆

باریسن نیشنل کا آفس دیکھ کے معلوم نہیں ہوتا تھا

کہ اس کے فرش تلے ایک بڑا سا مال بنا ہے۔ جہاں دفتری ماحول کے برعکس رنگوں اور روشنیوں کی بہار ہے۔

مال کی گیلریز میں شاپنگ کرتے لوگ ٹہل رہے تھے۔ دکانیں کھل چکی تھیں اور فوڈ کورٹ میں کھانے کی خوشبو پھیلی تھی۔

ایسے میں اشعر محمود مسکراتا ہوا فوڈ کورٹ کی طرف چلتا آ رہا تھا۔ اس کے ساتھ اس کی رفتار سے بامشکل ملتا رملی ہانپتے ہوئے کہہ رہا تھا۔

"سر..... جعفر صاحب... وہ خریدار.... بہت سیخ پا ہیں۔ قانوناً ان کو پینٹنگ کی قیمت ادا کرنی ہوگی۔ ہم نے ان سے وعدہ کیا تھا کہ پینٹنگ نقلی ہوگی اور....."

اشعر ایک دم رکا اور اس کی طرف گھوما۔ رملی بھی ہڑبڑا کے رکا۔ اشعر نے اس کے سینے پہ انگلی رکھی۔

"میں نہیں...... تم...... تم نے وعدہ کیا تھا اس سے۔" دانت پیس کے مسکراتے ہوئے اسے گھورا۔ "واللہ اگر اس آدمی کا مجھ سے کوئی بھی تعلق ثابت ہوا تو تمہیں اس مال کی چھت سے کود جانے پہ مجبور کر دوں گا۔"

"نہیں ہوگا سر۔ کبھی نہیں ہوگا۔" وہ جلدی سے کہنے لگا۔ دونوں آمنے سامنے فوڈ کورٹ کے دہانے پہ کھڑے تھے اور اطراف میں لوگ آ جا رہے تھے۔

"میں نے ہر چیز بہترین انداز میں پلان کی تھی اور......"

"ہاں تب ہی عین وقت پہ پینٹنگ کا راز کھل گیا ایڈیٹ!" اشعر مصنوعی مسکراہٹ برقرار رکھے پھر سے چلنے لگا تو رملی پیچھے لپکا۔

"سر، وہ چے تالیہ نے پتا نہیں کیسے....."

"چے تالیہ دکھاوے کی شوقین بگڑی امیر زادیوں میں سے ہے۔ اس کے پاس اصلی پینٹنگ تھی تو اس نے دکھاوا کرنا ہی تھا۔ اپنی ناکامی اس کے سر مت ڈالو۔"

پھر ہاتھ جھلا کے اسے دفعان ہونے کا اشارہ کیا تو رملی گہری سانس بھر کے وہیں رک گیا اور اشعر آگے بڑھتا گیا۔ مسکراہٹ کو مزید گہرا کر لیا اور ٹائی کی ناٹ درست کی۔ سرمئی سوٹ اور سفید شرٹ میں وہ ہمیشہ کی طرح وجیہہ لگ رہا تھا۔

فوڈ کورٹ میں ایک میز پہ تالیہ بیٹھی نظر آ رہی تھی۔ سنہرے بالوں کا جوڑا بنائے وہ گرے اسکرٹ پہ سفید منی کوٹ پہنے، گردن میں گرے رومال کی گرہ باندھے بیٹھی، کافی کے گھونٹ پی رہی تھی۔ ایک گھنگریالی لٹ گال پہ جھول رہی تھی۔ اشعر کو آتے دیکھ کے مسکرا کے لٹ پیچھے کی اور کپ رکھا۔

"مجھے امید نہیں تھی کہ آپ کی صبح کا مطلب واقعی صبح ہوگا۔" وہ ہشاش بشاش سا کہتا سامنے بیٹھا۔

"مجھے وعدے اور دوستی، دونوں کو نبھانا آتا ہے۔ اشعر صاحب۔" وہ مسکراتے ہوئے تازہ دم سی لگ رہی تھی۔

"سب سے پہلے، تالیہ......" اشعر نے دونوں ہاتھ اٹھا کے کہا۔ "آپ کا بہت شکریہ.... کل آپ نے ہمارے خاندان کو جس کرائسز سے بچایا.... آبنگ (بھائی) نے تو ٹھیک سے شکریہ کہا نہیں ہوگا، اس لیے میں....."

"شکریہ کہنا تو درکنار، وہ تو آخر میں بھی خفا ہی تھے۔" اس نے اداسی سے سر جھٹکا اور کپ اٹھا لیا۔ پھر رکی۔ "آپ کافی لیں گے؟"

"نہیں، شکریہ۔ جب آپ کا ٹیکسٹ ملا میں کافی ہی پی رہا تھا۔ خیر آبنگ خفا کیوں تھے؟"

"کیونکہ انہوں نے عصرہ کو کسی سے یہ بات بتانے سے منع کیا تھا اور میں نے آپ کو بتا دیا۔ آپ تو فیملی ہیں نا۔ مطلب وہ آپ کو کیونکر اپنے دائرے سے نکال سکتے ہیں؟" اس نے خفگی سے سر جھٹکا اور گھونٹ بھرا۔

اشعر مسکراتا رہا البتہ اس کی گردن میں گلٹی سی ڈوب کے ابھری۔

"انہوں نے جلد یا بدیر مجھے بتانا ہی تھا۔ ہم ایک فیملی ہیں۔"

"ظاہر ہے ان کو بتانا چاہیے تھا۔ اب اگر وہ عرب شہزادہ حقیقتاً شہزادہ نہیں تھا تو اس میں آپ کا کیا

تصویر؟ لیکن میں نہیں چاہتی کہ آپ کے بہنوئی اور آپ کے درمیان کوئی بدگمانی پیدا ہو۔ آپ اپنے فیس بک سے وہ تصویر ہٹا دیں۔"

"کون سی تصویر؟" وہ چونکا۔ تالیہ نے جواب میں حیرت سے اسے دیکھتے ہوئے کپ نیچے رکھا۔

"ارے۔ ایک سال پہلے ایک سفارت خانے کی تقریب کی تصویر جس میں آپ شہزادہ جاسم کے ساتھ کھڑے نظر آرہے ہیں اور ساتھ میں اس کا وہ مینیجر بھی ہے جو عصرہ سے شہزادہ جاسم بن کے ملا اور بعد میں اس کے مالک نے کہہ دیا کہ یہ میرا کزن ہے۔ اگر فاتح صاحب نے وہ تصویر دیکھی تو وہ بدگمان ہو جائیں گے حالانکہ دیکھا جائے تو آپ دن میں سینکڑوں لوگوں سے ملتے ہیں۔ آپ کو ہر ایک کی شکل تھوڑی یاد رہتی ہوگی۔"

اشعر نے بدقت مسکراہٹ قائم رکھی۔ "میں نہیں جانتا آپ کس تصویر کی بات کر رہی ہیں۔ لیکن میں نے کچھ کیا ہی نہیں تو میں کوئی تصویر کیوں ہٹاؤں؟" وہ پراعتماد تھا۔ "اور آنگ مجھے اچھی طرح جانتے ہیں' وہ کبھی میرے لیے اتنا برا نہیں سوچ سکتے۔"

"اوہ... پھر میں مطمئن ہوں۔" پھر جیسے یاد آیا۔ "شاید وہ تصویر آپ کے نہیں' کسی ٹوارزم کے پیج پہ دیکھی تھی میں نے۔ خیر جانے دیں۔"

اردگرد ٹہلتے لوگ' مال کی رونقیں' اشعر کو اپنے اور اس کے درمیان پھیلے تناؤ میں کچھ یاد نہیں رہا تھا۔ وہ جبراً ہنوز مسکرائے جا رہا تھا۔

"خیر آپ مجھ سے کیوں ملنا چاہتے تھے؟" وہ معصومیت سے بولی تو اشعر نے اطراف میں دیکھا۔

"تھوڑی دیر قبل میں شاید کہتا کہ ناشتے کے لیے۔ یہاں کارنر والا ریستوران میرا پسندیدہ ہے.... مگر آپ شاید ناشتے کے بجائے بات چیت کرنا چاہیں گی۔ تو کیوں نا آپ بتائیں بچے تالیہ کہ کل رات والے آپ کے "احسان" کے بدلے میں' میں کیا کر سکتا ہوں آپ کے لیے؟"

وہ اس کی آنکھوں میں جھانک کے پوچھ رہا تھا۔ وہ دونوں جانتے تھے کہ وہ کل رات والے احسان کی نہیں' اس تصویر کو فاتح کو نہ دکھانے کی بات کر رہا تھا۔

"میرے پاس دولت' مقام' جائیداد سب ہے اشعر صاحب۔ لیکن ہاں' ایک چیز ہے جو آپ مجھے دلوا سکتے ہیں۔" وہ کہنیاں میز پہ جمائے آگے ہوئی۔

"حکم کیجیے۔"

"مجھے باریسن نیشنل...." ابرو سے چھت کی طرف اشارہ کیا۔ مال کی چھت سے اوپر ایک فلور باریسن نیشنل کا ہیڈ آفس تھا۔ "میں...... جاب چاہیے۔"

"جاب؟ واقعی؟" اس نے تعجب سے ابرو اچکائے۔ "آخری دفعہ جب ہم میرے آفس میں ملے تھے تو آپ نے کہا تھا آپ کو سیاست میں کوئی دلچسپی نہیں۔"

"اس بات کو ایک زمانہ بیت گیا ہے۔"

"چھ دن بھی نہیں گزرے' تالیہ۔ خیر۔ میں سمجھ سکتا ہوں۔ آپ سوشل ورک کی شوقین ہیں اور آپ کو لگتا ہے کہ آپ سیاسی پارٹی میں یہ کام کر سکتی ہیں۔ اچھی سوچ ہے مگر یہ یاد رکھیے گا کہ سیاسی پارٹی میں کام کرنے پہ آپ کو ملے گا کچھ نہیں۔"

"تو آپ کیوں کرتے ہیں؟"

"کیونکہ صرف دو عہدے ایسے ہیں جو پے بیک کرتے ہیں۔ ایک سیاست دان ہونا یا دوسرا کسی سیاست دان کا کنگ میکر ہونا۔ ایک میں ہوں اور ایک میں رہ چکا ہوں۔ اس کے علاوہ تمام جابز بے کار ہیں۔"

"تو کوئی بے کار جاب ہی دلوا دیں آپ مجھے۔ کوئی اعلیٰ عہدہ۔" اس نے کافی پیتے ہوئے شانے اچکائے۔

اشعر نے تھوڑی کو ناخن سے رگڑتے سوچا۔ "فنانس ڈیپارٹمنٹ میں' یا میڈیا اسٹریٹیجی کمیٹی میں آپ کو بہت اچھی جاب مل سکتی ہے۔ آپ کو میڈیا اسٹریٹیجی میں ہونا چاہیے۔ سیلری بھی اچھی ہوگی اور جاب بھی اسٹیٹس والی ہے۔ آپ سی وی لائی ہیں؟"

"جی۔ بالکل۔" اس نے پرس کی طرف اشارہ

کیا۔

"او کے تو پھر میرے ساتھ اوپر آئیں۔" وہ اٹھتے ہوئے بولا۔ ساتھ ہی کوٹ کا بٹن بند کیا۔

"مگر امید ہے ایک بات آپ کو اچھی طرح معلوم ہو گی کہ میں باریسن نیشنل میں کسی کو جاب نہیں دے سکتا۔ میں صرف سفارش کر سکتا ہوں۔"

"میں جانتی ہوں۔" وہ بھی مسکرا کے پرس اٹھاتے ہوئے کھڑی ہوئی۔ "اگر کوئی آؤٹ آف دی وے جا کر مجھے ایک اچھی پوسٹ پہ ہائر کر سکتا ہے تو وہ وان فاتح ہے۔ اور میں چاہتی ہوں کہ آپ میری سفارش کریں تاکہ وہ انکار نہ کر سکیں۔" اس کا انداز قطعی اور حتمی تھا۔

"شیور۔ آبنگ آفس میں ہوں گے۔ چلیں۔ ان سے ابھی بات کر لیتے ہیں۔" وہ فوراً تیار ہو گیا تھا۔ اسے فاتح کے آفس میں صرف اشعر کی سفارش سے جاب مل سکتی تھی اس لیے وہ نہیں چاہتی تھی کہ فاتح یہ جان پائے کہ اشعر نے گھائل غزال والی حرکت کی تھی۔ اشعر محمود اس بات کو بخوبی سمجھ رہا تھا اور پہلی دفعہ اس کی رائے تالیہ کے بارے میں بدل رہی تھی۔

☆☆☆

مرغی آج صبح سے ہی مسلسل کٹ کٹا رہی تھی۔ چوزے چوں چوں کرتے باغیچے میں بھاگتے پھر رہے تھے۔ بلی نے صبح حملے کی کوشش کی تو ایڈم کی ماں نوکیلی تار لے آئیں اور چھوٹی دیواروں کی منڈیر پہ لگانے لگیں۔ اسکارف لپیٹے، آستین چڑھائے، ایبو ٹھنڈی میٹھی دھوپ میں کھڑی تار لگا رہی تھیں۔ دفعتاً کسی احساس کے تحت پیچھے دیکھا تو ایڈم کو برآمدے کی سیڑھیوں پہ بیٹھے پایا۔ وہ نوٹ پیڈ گھٹنوں پہ رکھے، قلم کا کنارہ لبوں پہ دبائے دور افق کو دیکھ رہا تھا۔ ابھی تک شب خوابی کی رف ٹی شرٹ پہن رکھی تھی۔

"کیا لکھ رہے ہو؟"

"اپنے اردگرد کے ماحول کا گہرا مشاہدہ کر کے کچھ لکھنا چاہتا ہوں۔ سوچ رہا ہوں، کیا لکھوں۔"

"اصلی لکھاری کو قلم اور کاغذ اٹھانے سے پہلے معلوم ہوتا ہے کہ انہوں نے کیا لکھنا ہے، اگر وہ خالی کاغذ کو گھوریں تو یا ان کا موڈ نہیں یا وہ لکھاری نہیں۔"

"اور تمہیں لکھاریوں کے بارے میں اتنا کیسے معلوم، ایبو؟"

"تمہارے تایا کسی زمانے میں شاعری کرتے تھے۔ ان کی چائے قہوے بناتے بناتے اتنی سمجھ تو آ ہی گئی تھی۔" وہ اس کی طرف پشت کیے تار لپیٹ رہی تھیں۔

ایڈم نے سست روی سے ہاتھ کی پشت سے جمائی روکی۔ پھر اداسی سے دور آسمان کو دیکھنے لگا۔

"کہانی لکھنا چاہ رہا ہوں، ایبو۔"

"یہ تمہیں لکھنے کا شوق کب سے ہو گیا؟"

"جب سے ملاکہ گیا ہوں، تب سے۔"

"میں دیکھ رہی ہوں، ایڈم۔ جب سے واپس آئے ہو بدلے بدلے لگ رہے ہو۔ کوئی بات ہے کیا؟" وہ میخ کے ساتھ تار کو لپیٹ کے گرہ باندھتے ہوئے بولیں۔

"نہیں۔ میں تو ویسا ہی ہوں۔" اس نے نظریں چراتے ہوئے کندھے اچکائے۔ مرغی کٹ کٹاتی ہوئی اس کے قدموں کے قریب آ کھڑی ہوئی۔ چوزوں کا غول بھی پیچھے لپکا۔

"پھر اس لکھنے کے شوق کو چھوڑو اور نوکری تلاش کرو۔ بغیر نوکری کے فاطمہ کے گھر والے شادی نہیں کریں گے ایڈم اور شادی میں صرف دو ماہ رہتے ہیں۔"

"پیسے آ جائیں گے، ماں۔ بہت جلد۔" اس نے لاپروائی سے کہا اور پیڈ پہ جھک گیا۔ قلم کھولا اور الف اتارنے لگا۔

ایبو نے تار کا آخری سرا باندھا اور پھر ستائش سے اسے دیکھا۔ دیوار کی منڈیر پہ سرحدی علاقے جیسی گول گول تار لگ چکی تھی۔ اب بلی کوئی جسارت کر کے تو دکھائے۔

"ایبو۔" ایڈم کا دماغ بھٹکنے لگا تو انہیں پکارا۔ وہ مڑ کے اسے دیکھنے لگیں۔ نکھری دھوپ میں برآمدے

کی سیڑھیوں پہ بیٹھا ایڈم بن محمد غمزدہ لگ رہا تھا۔ کسی اور کے لیے غم زدہ۔

''اگر کوئی انسان کسی دوسرے کو بھول جائے ایسے بھول جائے جیسے یادداشت کھو جاتی ہے۔ جیسے سمندر میں جہاز ڈوب جاتا ہے اور دوسرا انسان مسلسل تکلیف میں ہو تو اس دوسرے کو کیا نصیحت کرنا چاہیے؟''

''دوسرا تکلیف میں کیوں ہے؟'' ایبو اس کے سامنے آرکیں اور غور سے اس کے چہرے کو دیکھا۔

''دوسرے کو پہلے سے محبت تھی اور اب اس کی بے اعتنائی اس کے لیے تکلیف بن رہی ہے۔''

''اور تیسرا کیا چاہتا ہے؟''

ایڈم نے چونک کر ان کو دیکھا۔ وہ تیز دھوپ میں کھڑی تھیں اس لیے ان کا چہرہ واضح دکھائی نہ دیتا تھا۔

''تیسرا بس یہ چاہتا ہے کہ دوسرے کو تکلیف نہ ہو۔''

''پھر اس کو چاہیے کہ دوسرے کو بتائے کہ زندگی میں ایسا ہو جاتا ہے۔ کبھی جو دل کے بہت قریب تھا' وہ لاپروا ہو جاتا ہے جیسے ہم اس کے پیر کی خاک برابر بھی نہ تھے۔ لوگ ہمیں بھول کے اپنی زندگیوں میں آگے بڑھ جاتے ہیں اور ہم ان کی بے اعتنائی سے مسلسل اذیت میں رہتے ہیں۔''

''تو ایسے وقت میں کیا کیا جائے؟''

''یہ سمجھ لیا جائے کہ کوئی تیسرا یا چوتھا کسی دو لوگوں کے رشتے کو توڑ نہیں سکتا۔ رشتوں کو وہ دو لوگ خود بھی نہیں توڑتے۔ یہ ہمارا مالک ہوتا ہے' ہمارا اللہ تعالیٰ جو لوگوں کو ہماری زندگی میں لاتا ہے اور ہمارے دلوں میں ان کی محبت ڈالتا ہے۔ وہی ہنساتا ہے' وہی رلاتا ہے۔ وہی مردہ ہوئے دلوں کو محبت سے زندہ کرتا ہے اور وہی ان لوگوں کو پھر ہماری زندگی سے لے بھی جاتا ہے۔ دل اللہ کے ہاتھ میں ہوتے ہیں۔ وہی ان کو الٹتا پلٹتا رہتا ہے۔''

''اللہ تعالیٰ ایسا کیوں کرتا ہے؟''

''کیوں کا جواب ڈھونڈنے سے اذیت کم تو نہیں ہو جائے گی' بیٹا۔ جسم میں تکلیف ہو تو ہم جان جاتے ہیں کہ کوئی شے درد دے رہی ہے۔ پھر ہم اس شے کو جسم سے دور کرنے کی سعی کرتے ہیں۔ کبھی دوا لے کر' کبھی چبھا ہوا کانٹا نکال کر' کبھی گرم توے سے ہاتھ دور لے جا کر۔ جب بھی کچھ تکلیف دیتا ہے تو ہمیں اپنے آپ کو اس سے دور کرنا ہوتا ہے۔''

''میں انسانی رشتوں کی بات کر رہا ہوں۔ محبتوں کی۔''

''محبت تو راحت دیتی ہے' تکلیف نہیں۔ اور اگر یہ تکلیف دینے لگے تو یہ بھی ایک نشانی ہوتی ہے کہ خود کو اذیت دینے والے شخص سے دور کرنے کا وقت آن پہنچا ہے۔''

''کیا فرار اس کا واحد حل ہے؟ جس سے محبت ہے اس کو نہ دیکھو' اس سے دور چلے جاؤ۔ کیا ایسے دلوں کے روگ ٹھیک ہو جاتے ہیں؟''

''اکثر کے ہو جاتے ہیں۔''

''میں چاہتا ہوں' وہ اس سے دور چلی جائے تاکہ اس کے دل کا روگ دور ہو سکے مگر اس نے اسے ایسی مجبوری اور وعدے کے رشتے میں باندھ دیا ہے کہ وہ تکلیف سہتی رہے گی مگر اس کے ساتھ رہے گی اور ساتھ رہنے کے بہانے ڈھونڈے گی۔ وہ ایسے کانٹے کی طرح ہے جو اس کے دل میں چبھا ہے مگر وہ اسے نکال کے تکلیف کو کم بھی نہیں کر سکتی۔'' وہ اب باغیچے میں بھاگتے چوزوں کے ننھے پیروں کو دیکھتے ہوئے کہہ رہا تھا۔

''تو پھر تیسرے کو چاہیے کہ ان دونوں کو ان کے حال پہ چھوڑ کے اپنی تکلیف کی فکر کرے۔''

ایڈم نے سر جھٹکا اور پھر نگاہیں چرا کر چہرہ کاغذ پہ جھکا دیا۔

''شکریہ ماں۔ مجھے لکھنے کے لیے موضوع مل گیا ہے۔'' وہ ماں سے نظر ملائے بغیر تیز تیز قلم کاغذ پہ گھسیٹنے لگا۔ ایبو دونوں پہلوؤں پہ ہاتھ رکھے افسوس سے اسے دیکھتی رہیں۔

☆☆☆

جس وقت اشعر محمود نے آفس کا دروازہ کھولا' فاتح اپنی کرسی سے اٹھ کے کافی ٹیبل کی طرف جا رہا تھا۔ کوٹ اسٹینڈ پہ ٹنگا تھا اور وہ سفید شرٹ اور اسٹرائپ والی ٹائی میں ملبوس تھا۔ دروازہ کھلنے پہ گردن موڑ کے دیکھا۔ اشعر کو وہاں پا کے ہلکا سا مسکرایا اور کافی اسٹینڈ تک آیا۔

''خیریت؟''

''میرا ایک کام کرنا ہے آپ کو۔'' اشعر بشاشت سے کہتا سامنے آیا اور کھڑے کھڑے بولا۔ ''کسی کو جاب چاہیے اور میں چاہتا ہوں کہ آپ اس کو ہمارے آفس میں کوئی اونچا عہدہ دیں۔ ڈیپارٹمنٹ ہیڈ بنا دیں یا کوئی بھی اچھی جاب۔ آپ یہ کر سکتے ہیں۔''

فاتح نے پانی کی بوتل اٹھائی اور ڈھکن انگلیوں سے گھما کے کھولا۔ ''میرٹ بنتا ہے اس کا؟''

''وہ ٹیلنٹڈ بھی ہے اور اہل بھی۔ مجھے یقین ہے وہ بہت اچھا اضافہ ثابت ہو گی۔'' وہ وہیں میز کے کنارے کھڑا کہہ رہا تھا۔

''ایش...... یوں ایک دم کسی کو رکھنا آسان نہیں ہوتا۔ مجھے ایچ آر کو مطمئن کرنا ہو گا۔ پھر ایتھکس کمیٹی کو بھی مسئلے ہو جاتے ہیں اس طرح کی تقرریوں سے۔'' کہتے ہوئے فاتح نے کافی میکر کا ڈھکن اٹھایا اور بوتل اس کے اندر انڈیلی۔ پانی کی دھار گرنے لگی تو وہ بوتل اوپر لے گیا۔ کافی اوپر۔ پانی اب لمبی دھار کی صورت نیچے گرتا خانے کو بھر رہا تھا۔ اشعر نے گردن اونچی کر کے پہلے اس کے ہاتھوں کی مہارت دیکھی۔ پھر اس کو دیکھا۔

''آبنگ...... صاف بات کرتے ہیں۔ میں نے اتنے سالوں میں آپ کے کہنے پہ بہت سے غریب لوگوں کو اپنی فرم میں نوکریاں دی ہیں۔ پارٹی میں کارکنوں کو اپنی طاقت کے مطابق اکوموڈیٹ کرتا رہتا ہوں۔ اس لیے مجھے آپ ایچ آر کے حوالے مت دیں۔ مجھے زبان دیجیے کہ آپ میری امیدوار کو ایک بہت اچھی جاب دلوا دیں گے۔ اپنے آس پاس۔'' وہ دوٹوک انداز میں بولا۔

''شیور۔ میں اس کی اہلیت کے مطابق اس کو یہاں جاب دلوا دوں گا۔ اسے بھیجو۔''

پھر فاتح نے کین کھول کے کافی نکالی اور کافی میکر کے اندر الٹی۔ ہر خانے کو جگہ پہ فکس کیا' اور بٹن آن کیا۔ اسی دوران دروازہ کھلنے اور بند ہونے کی آواز آئی تھی۔ وہ بوتل اور فلٹر پیپرز کو اپنی جگہ پہ سیٹ کر کے اسی بے نیازی سے مڑا تو دیکھا۔

اشعر کے ساتھ وہاں تالیہ کھڑی تھی۔ گردن میں رومال کی گرہ لگائے' سنہرے بالوں کو جوڑے میں سمیٹے' وہ سادگی سے کبھی اس کو دیکھتی کبھی اشعر کو۔ فائل سینے سے لگا رکھی تھی۔

وان فاتح نے دونوں ابرو اٹھا کے اسے دیکھا۔

''سیریسلی؟'' پھر جیسے تعجب سے سر جھٹک کے ہنسا۔

''تالیہ...... آبنگ نے مجھے زبان دی ہے کہ وہ تمہیں اپنے قریب بہت اچھی جاب دلوا دیں گے۔'' ساتھ ہی اشعر نے کلائی پہ بندھی گھڑی دیکھی تو فاتح نے ہاتھ سے اشارہ کیا۔

''ٹھیک ہے' تم جاؤ اور تاشہ...... تم بیٹھو۔''

اشعر نے جانے سے قبل اس کی آنکھوں میں دیکھ کے یاد دہانی کروائی' جیسے کہہ رہا ہو۔ (آبنگ...... آپ یہ ضرور کریں گے کیونکہ میں بھی آپ کے کام کرتا رہا ہوں۔) فاتح نے خاموشی سے اثبات میں سر کو جنبش دی۔

وہ دونوں کمرے میں تنہا رہ گئے تو تالیہ کرسی پہ بیٹھی اور فائل سامنے رکھ دی۔ کندھے اور گردن سیدھی رکھے' اب وہ خود اعتمادی سے فاتح کو دیکھ رہی تھی۔

''تو تمہیں بی این (باریسن نیشنل) میں اچھی جاب چاہیے؟'' عینک لگاتے ہوئے سامنے کرسی پہ بیٹھا اور فائل اٹھا کے کھولی۔ انداز پروفیشنل ہو گیا۔ رات والے واقعے کا کوئی حوالہ نہیں دیا۔

''جی' سر!''

''ہوں!'' وہ اس کے کاغذات کو پڑھ رہا تھا۔

کونے میں رکھے کافی میکر سے پانی ابلنے کی آواز آنے لگی تھی۔

"ماسٹرز میں تم نے پولیٹیکل سائنس یا آئی آر یا سوشیالوجی نہیں پڑھی لیکن کوئی بات نہیں۔" اس نے صفحہ پلٹایا۔ "تمہارے مارکس اچھے تھے۔ لاہور سے کیا تھا تم نے ماسٹرز!" وہ خود کلامی کے انداز میں کہہ رہا تھا۔ "کے ایل سے تم نے چند آرٹ کورسز کیے ہیں۔ پینٹنگز اور مجسمے بنا سکتی ہو۔ رائفل شوٹنگ کا کورس، جمناسٹک۔ ہوں۔"

پانی ابلنے کی آواز بلند ہوئی تو کافی کی مہک اس کے نتھنوں سے ٹکرانے لگی۔ وہ خاموشی سے اس کو اپنی فائل پڑھتے دیکھے گئی۔

"سی وی اتنی متاثر کن نہیں ہے تمہاری لیکن اشعر سے وعدہ کیا ہے میں نے۔" اب اس نے واپس پہلا صفحہ پلٹایا اور رک کے اس کا نام پڑھا۔ "تالیہ مراد بنت مراد راجہ۔" پھر عینک کے اوپر سے آنکھیں اٹھا کے اسے دیکھا اور مسکرایا۔

"تمہارے دادا کو بھی تمہاری طرح تاریخ سے دلچسپی تھی کیا؟ کیونکہ انہوں نے اپنے بیٹے کا نام ملاکہ سلطنت کے ایک بنداہارا کے نام پہ رکھا ہے۔"

تالیہ کی گردن میں گلٹی سی ڈوب کے ابھری مگر تاثرات ہموار رہے۔ "مراد راجہ صرف سلطان مرسل شاہ کے بنداہارا کا نام نہیں تھا' یہ عام سا نام ہے۔" پھر توقف کیا۔ "اور ویسے بھی بنداہارا مراد راجہ اتنا مشہور نہیں کہ اس کے نام کے اوپر لوگوں کے نام رکھے جائیں۔" آواز تلخ ہو گئی۔ اندر جیسے اپنے باپ کے لیے غصہ ابلنے لگا۔

"مشہور ہونے کی بات نہیں ہوتی' تاشہ۔ مراد راجہ تاریخ کا ایک عظیم کردار تھا اور اس کو میرا خیال ہے لوگ misunderstand کرتے آئے ہیں۔ وہ ایک اچھا اور آنرایبل آدمی تھا۔ مگر ہماری سوشلائٹ لڑکیوں کو تاریخ کی گہرائی میں جانے کا شوق نہیں ہوتا۔ افسوس۔" فاتح کی نظریں فائل پہ جھک گئیں تو وہ بہت ضبط سے بولی۔

"تاریخ ویسی نہیں ہوتی جیسی مؤرخ قلمبند کرتے ہیں۔"

مگر وہ نہیں سن رہا تھا۔

"تمہارے والد حیات ہیں؟" پھر یاد آیا۔ "اوہ رائٹ، ان کی وفات ہو چکی ہے جس کے بعد تمہیں یہ سب ترکے میں ملا تھا۔ عصرہ نے بتایا تھا۔ خیر۔ کیا کرتے تھے وہ؟"

"وہ سیاست دان تھے۔ بہت دانا، بہت زیرک انسان تھے۔ اور ان کی وفات نہیں ہوئی۔" فاتح نے چونک کے اسے دیکھا۔ وہ سادگی سے کہہ رہی تھی۔ "جب آخری دفعہ میں نے انہیں دیکھا تھا تو وہ زندہ تھے اور صحیح سلامت تھے۔ ہاں، اب ان کی قبر بھی ہے اور وقت کی دھول میں وہ قبر ملیا میٹ ہو چکی ہو گی مگر میرے لیے وہ ابھی بھی زندہ ہیں۔"

"ہاؤ نائس!" اس نے بغیر اثر لیے صفحہ پلٹایا۔ پھر کچھ پڑھ کر چونک کے اسے عینک کے اوپر سے دیکھا۔

"میریٹل اسٹیٹس۔ میرڈ؟ تو تم شادی شدہ ہو؟ پھر ہم ابھی تک تمہارے شوہر سے کیوں نہیں ملے؟" فائل بند کرتے ہوئے عینک اتار کے رکھی اور پیچھے کو ٹیک لگائی۔ تالیہ مراد کے اندر تک کانٹے سے چبھ گئے۔ تکلیف بہت زیادہ تھی۔

"میں اور میرے شوہر۔ ہم ساتھ نہیں رہتے۔" وہ اس کی آنکھوں میں دیکھ کے کہنے لگی۔ وہاں کوئی جذبہ، کوئی بے چینی کچھ نہ تھا۔ یادوں کے ساتھ احساس بھی مر گئے تھے۔

"کیوں؟" اس نے تعجب سے ابرو اکٹھے کیے۔

"ہم ایک لمبے سفر سے لوٹے تو میں نے جانا کہ وہ واپس نہیں آیا۔ وہ ایک دوسرے سفر پہ نکل گیا۔ شاید خود غرض تھا، شاید مجھے پروجیکٹ کرنا چاہتا تھا۔ ساتھ بھی نہیں رہا اور چھوڑا بھی نہیں۔ اب اس کے آگے اونچی منزلیں ہیں اور میں چاہتی ہوں کہ وہ ان کو پالے۔"

کرسی پہ ٹیک لگائے، گال تلے انگلی رکھے بیٹھے

فاتح نے سوچنے والے انداز میں پوچھا۔ ''واپس آئے گا کیا؟''
وہ مسکرائی اور آگے کو جھک کر اس کی آنکھوں میں جھانکا۔ ''میں تالیہ بنت مراد راجہ ہوں۔ اگر وہ خود سے واپس نہ آیا تو اس کو گردن سے دبوچ کے واپس کھینچ لاؤں گی۔ پھر چاہے مجھے کسی کی قبر بنانی پڑے یا پرانی قبر کھودنی پڑے، ایک بات تو طے ہے کہ تالیہ کی ہمت نہیں ٹوٹے گی۔''
''او کے کول.. خیر... بارِسن نیشنل میں کیوں کام کرنا چاہتی ہو؟ حالانکہ تم جانتی ہو میں تمہیں بالکل پسند نہیں کرتا۔''
ابلتی کافی قطرہ قطرہ جگ میں گر رہی تھی اور اس کی کڑوی خوشبو سارے آفس میں پھیل چکی تھی۔
(میں چاہتا ہوں وہ میرے ساتھ رہے کیونکہ اسے میری اور مجھے اس کی ضرورت ہے۔ چار ماہ قبل میں تالیہ کو ایک بددیانت اور سستی سوشلائٹ کے طور پہ جانتا تھا جس نے میری فائل چرائی تھی۔ اگر چیزیں واپس اسی مقام پہ پہنچ جائیں، تب بھی یہی چاہوں گا کہ وہ میرے ساتھ رہے۔ بھلے میں اسے ناپسند کروں، اسے دھتکاروں مگر میں چاہتا ہوں کہ وہ تب بھی میرے ساتھ رہے۔ امید ہے اسے وعدے نبھانے آتے ہوں گے۔)
اس نے بہت سی کڑوی مہک اندر اتاری اور مسکرا کے گویا ہوئی۔
''آپ کے ساتھ کام کرنا میری سی وی کو چار چاند لگا دے گا۔ کچھ عرصے کی جاب سے مجھے مستقبل میں بہتر جابز مل جائیں گی۔ اور میں ایک اعلیٰ عہدہ اس لیے بھی چاہتی ہوں کیونکہ مجھے لیڈ کرنے کی عادت ہے، لیڈ ہونے کی نہیں۔ مجھے لیڈی باس بن کے حکم چلانا اچھا لگتا ہے۔ میرا خیال ہے میں ماتحتی کرنے کے بجائے ایک اچھی پروجیکٹ ہیڈ بن سکتی ہوں۔ مجھے سیاست کی سمجھ بوجھ بھی ہے اور مجھے عالمی سیاست سے دلچسپی بھی ہے۔ آپ مجھے کام دیں، میں ہر کام کر سکتی ہوں۔''
''اعلیٰ عہدے کا مطلب ہے، کام کا بہت زیادہ بوجھ اور جہاں تک میں اپنے معاشرے کو جانتا ہوں، نازک سوشلائٹس دن کے بارہ بجے اٹھتی ہیں اور ان کی ساری زندگی شام کو ہونے والی پارٹی کا گاؤن منتخب کرنے تک محدود رہتی ہے۔ اگر میں تمہیں کوئی بہت بڑا عہدہ دے بھی دوں تو کیا تم کام کر لوگی؟'' وہ سنجیدہ تھا۔
کافی ابل ابل کے جگ کو بھر چکی تھی اور پھر مشین ٹھنڈی پڑ گئی تھی۔
''میرا آپ سے وعدہ ہے کہ آپ مجھے جو کام جب بھی اور جتنا بھی دیں گے، میں بغیر شکایت کے اسے مکمل کر کے دوں گی۔ میں سب کر سکتی ہوں۔ آپ جلد جان جائیں گے۔''
''سو تمہارا کوئی سوشل ورک، لوگوں کی بہبود وغیرہ کے عزائم نہیں ہیں؟''
''میں جھوٹ نہیں بولوں گی۔ گو کہ مجھے بہت اچھی سیاسی سمجھ بوجھ ہے، مگر میں یہ نہیں کہوں گی کہ میں بی این میں اس لیے آنا چاہتی ہوں کہ ملائشیا جیسے ایک تیسری دنیا کے ملک کو دنیا کا بہترین ملک بنا دوں، وغیرہ وغیرہ، یا پھر......''
''تیسری دنیا کیا ہوتی ہے تاشہ؟''
اس نے ایک دم پوچھا تو وہ بولتے بولتے رکی۔ ابرو بھینچ کے پوچھا۔ ''سوری؟''
''تیسری دنیا کا ملک ہونے کا کیا مطلب ہوتا ہے؟'' وہ کہتے ہوئے کھڑا ہوا، کرسی دھکیلی اور کافی ٹیبل تک گیا۔
''ترقی پذیر ملک۔ گو کہ ملائشیا اب ایسا نہیں ہے مگر میری بات کا مطلب تھا کہ۔۔۔''
''سرد جنگ ایک بہت طویل جنگ تھی جو ہماری دنیا میں ہوئی تھی۔ یہ دراصل جنگ نہیں تھی، بس امریکہ اور روس کے درمیان ایک تناؤ، ایک تلخی تھی کہ کس کا نظام بہتر ہے۔ امریکہ کا کیپٹل ازم یا روس کا کمیونزم۔'' وہ کیبنٹ کھول کے کافی کا مگ نکالتے ہوئے کہہ رہا تھا۔ تالیہ کرسی پہ ترچھی ہو کے اسے دیکھنے لگی۔

"ایک طرف مغربی بلاک تھا۔ امریکہ اور نیٹو ممالک کا۔ دوسری طرف مشرقی بلاک تھا۔ سوویت یونین (روس) اور اس کے اتحادیوں کا۔ کئی سال یہ دونوں بلاک اپنے نظام کو بہتر ثابت کرنے کی کوشش میں لگے رہے۔" اس نے کافی میکر کے اندر سے گرم جگ نکالا اور مگ میں اسے انڈیلا۔

"جن ممالک نے اس جنگ میں امریکہ کا ساتھ دیا، ان کو پہلی دنیا کے ممالک کہا جاتا تھا۔ جنہوں نے روس کا ساتھ دیا، وہ دوسری دنیا کے ممالک کہلائے اور۔۔" اس نے جگ کو مگ سے دو تین فٹ اوپر اٹھا دیا۔ لمبی سی سیاہ دھار نیچے گرتی دکھائی دے رہی تھی۔ تالیہ کی نظریں اس دھار پہ جم سی گئیں۔ اندر ہی اندر کچھ ڈوب کے ابھرا تھا۔ ابوالخیر کا بہترین غلام قہوے کو دھار کی صورت پیالے میں بھرا کرتا تھا۔

"اور جو ممالک نیوٹرل رہے۔۔۔ انہوں نے کسی کا ساتھ نہ دیا۔۔ ان کو تیسری دنیا کے ممالک کہا جاتا تھا۔" اس نے جگ رکھا اور مگ اٹھائے کرسی تک واپس آیا۔ سیٹ سنبھالی اور اس کے سامنے بیٹھتے ہوئے مسکرا کے اسے دیکھا۔

"آج لوگ غلط العام انداز میں تیسری دنیا کے ممالک سے مراد غریب ترقی پذیر ممالک لیتے ہیں، حالانکہ یہ کوئی تحقیر آمیز اصطلاح نہیں تھی۔ مگر اب لوگوں نے اس کا مطلب بدل دیا ہے۔ جیسا کہ میں ہمیشہ کہتا ہوں۔ آرٹ اور تاریخ کو کمرشل فائدے کے لیے استعمال کرنا الگ چیز ہے اور اس میں دلچسپی لے کر اس سے کچھ سیکھنا الگ۔" پھر گھونٹ بھر کے میز پہ رکھا اور اسی جتاتی مسکراہٹ سے اسے دیکھا۔ "سیاسی سمجھ بوجھ رکھنے والوں کو سرد جنگ کے بلاکس کے بارے میں عموماً معلوم ہوا کرتا ہے مگر خیر..... تم یہاں کام کرو گی تو سیکھ جاؤ گی۔" پھر اس کی فائل اس کی طرف دھکیلی۔ "تم سوموار سے جوائن کر سکتی ہو۔"

اس کی ساری کڑواہٹ کو پی کے وہ سپاٹ سا مسکرائی اور فائل لیے اٹھی۔

"سوموار بہترین رہے گا کیونکہ ویسے بھی مجھے ویک اینڈ پہ ملاکہ جانا ہے۔ اپنے نئے گھر کا جائزہ بھی تو لینا ہے۔" جتاتے ہوئے کہا تو اس نے لیپ ٹاپ کھول لیا اور عینک ناک پہ جمائے اس کی طرف متوجہ ہو گیا۔ نہ خدا حافظ، نہ الوداع۔ بس بے رخی کافی تھی۔ اور وہ یہ پہلی دفعہ تھوڑی کر رہا تھا۔

مگر یہ طے تھا کہ تالیہ کی ہمت نہیں ٹوٹے گی۔ باہر نکلتے ہوئے اس نے خود سے دہرایا تھا۔

"کیسا رہا انٹرویو؟" وہ آفس سے نکل کے کاریڈور تک آئی تھی کہ اشعر جو سامنے سے دو افراد کے ساتھ چلتا آ رہا تھا، اسے دیکھ کے رکا اور مسکرا کے پوچھا۔

"توقع کے برخلاف، بہت اچھا۔" اس نے گہری سانس بھری۔ اسے واقعی امید نہ تھی کہ فاتح اتنی آسانی سے جاب دینے پہ راضی ہو جائے گا۔

اشعر کو الوداع کہہ کر وہ راہداری کے دہانے تک آئی تو کونے میں اس کی طرف پشت کیے کھڑے آدمی نے ایک دم رخ موڑا۔ تالیہ جو فائل سینے سے لگائے چلتی جا رہی تھی، ٹھٹک کے رکی۔ پھر اس کا چہرہ دیکھ کے سُن رہ گئی۔

وہ سمیع تھا۔

ڈریس شرٹ پہنے وہ پینٹ کی جیبوں میں ہاتھ ڈالے کھڑا جتانے والے انداز میں مسکرا رہا تھا۔ تالیہ نے فوراً اس طرف دیکھا جہاں سے وہ آئی تھی۔ وہاں اشعر ابھی تک کھڑا ان دو افراد سے کوئی بات کر رہا تھا۔ آگے پیچھے دوسرے لوگ بھی آ جا رہے تھے۔

"اشعر صاحب سے میرا تعارف نہیں کرواؤ گی ڈیئر وائف؟" وہ گہری نظریں اس کے چہرے پہ جمائے ہوئے تھا جو ایک دم فق ہوا تھا۔ پھر وہ سنبھلی۔ ماتھے پہ بل پڑے۔

"تم یہاں کیوں آئے ہو؟"

"تم نے خود کہا تھا کہ میں ان کو سب بتا دوں۔ وہی بتانے آیا ہوں۔" بے نیازی بھری مسکراہٹ

سے کہتا وہ اس کے ساتھ سے گزر کے اشعر کی طرف بڑھا تو تالیہ جلدی سے بولی۔
"رکو۔ پلیز رکو، سمیع۔" وہ جیسے پریشانی کو چھپاتے ہوئے سوچ سوچ کے کہہ رہی تھی۔
سمیع رکا اور مسکرا کے پلٹا۔
"ادھر آؤ... یہاں بات کرتے ہیں۔" وہ تیزی سے ریسٹ رومز کی طرف بڑھی۔ سمیع پیچھے آیا۔
وہ ایک طویل ہال تھا جس میں سنک بنے تھے اور دوسری طرف باتھ رومز کے دروازے تھے۔ سمیع جیسے ہی اندر آیا' تالیہ نے دروازہ بند کیا اور غصے سے اس کی طرف گھومی۔
"تم میری جان چھوڑ کیوں نہیں دیتے؟"
"تم اب بھی مجھ سے ڈرتی ہو۔" وہ دونوں وہاں اکیلے تھے۔
"میں کسی سے نہیں ڈرتی۔" جواباً سمیع نے اپنی چھوٹی چھوٹی آنکھوں سے اسے سر سے پیر تک دیکھا۔
"تم جاب لینے آئی ہو یہاں، ہے نا؟ میں نے اشعر صاحب کی بات سن لی تھی۔ تم جتنی بہادر رہنے کی اداکاری کر لو، تم اپنے نئے آفس میں کوئی تماشا نہیں بنانا چاہو گی۔"
"تم کیا چاہتے ہو؟"
"صرف اپنا اتنا سا حصہ!" دو انگلیوں کے درمیان ذرا سا خلا بنا کے دکھایا۔
"میرے پاس اتنا کیش ہے، نہ ہوتا ہے۔" وہ زچ ہوئی۔ "اور بینک سے میں تمہیں ایک پیسہ نہیں بھیجوں گی۔"
"ہاں ظاہر ہے سیاسی جماعت میں کام کرنے کے بعد تمہاری بینک ٹرانزیکشنز پہ کڑی نظر رہے گی۔ میں تمہیں مشکل میں تھوڑی ڈالوں گا تالیہ۔"
"سمجھ میں آ گیا نا تمہارے؟ اب میرا پیچھا چھوڑ دو۔ میرے پاس کچھ نہیں ہے۔"
"یہ بات وہ عورت کہہ رہی ہے جو صرف جاب انٹرویو پہ بھی لاکھوں کی جیولری پہن کے آئی ہے۔"
تالیہ بدک کے پیچھے ہٹی۔ اس کے ہاتھ خالی تھے مگر کانوں میں پہنے ایئر رنگز کے موٹے موٹے ہیرے جگمگا رہے تھے۔
"تم مجھے یہ ہیرے دے سکتی ہو۔" اس نے اس کے کانوں کی طرف اشارہ کیا۔
"یہ.... یہ نقلی ہیں۔ یہ سب زرقون ہیں۔" گردن اکڑا کے بولی۔
"یہ سب اصلی ہیں اور یہ تو صرف پہلی قسط ہے۔ ایئر رنگز پلیز۔" وہ ہتھیلی پھیلائے کھڑا تھا۔
"اور یہ مت سمجھنا کہ میں ان کو بغیر رسید کے بیچ نہیں سکتا۔ میرے اتنے سنار جاننے والے ہیں کہ میں صرف ہیرے الگ کروا کے بیچ سکتا ہوں۔ اب میرا وقت ضائع مت کرو اور مجھے یہ ایئر رنگز دو۔"
"یہ پہلی اور آخری دفعہ ہے سمیع۔" وہ بے بسی سے غرائی۔ پھر ادھر ادھر دیکھا۔ وہاں کوئی نہ تھا۔ اس نے نوچنے والے انداز میں اپنے کانوں سے موٹے موٹے ہیروں والے ٹاپس اتارے اور اس کی مٹھی پہ پٹخے۔
"آئندہ مجھے اپنی شکل نہ دکھانا۔ ورنہ تمہاری جان لے لوں گی۔"
سمیع نے روشنی میں اٹھا کے ان ہیروں کو دیکھا' پھر مسکرا کے سر کو خم دیا۔ "شکریہ دوست۔"
اور انہیں جیب میں ڈالتا آگے بڑھ گیا۔ تالیہ زیرِ لب کچھ بڑبڑاتی رہی۔ اس کا چہرہ غصے سے دہک رہا تھا اور وہ سخت جھنجلائی ہوئی لگتی تھی۔

☆☆☆

وان فاتح کی رہائش گاہ پہ وہ رات اتری تو لان کی ساری بتیاں جگمگا اٹھیں۔ اندر لاؤنج میں عصرہ صوفے پہ بیٹھی' لیپ ٹاپ کھولے کام کرتی دکھائی دے رہی تھی۔ وہ سادہ سی سرمئی میکسی میں ملبوس' کندھے پہ سیاہ اسٹول ڈالے' بالوں کو الجھے ہوئے جوڑے میں باندھے' پوری توجہ سے اسکرین پہ جھکی تھی جب جولیانہ روتی ہوئی بھاگتی آئی۔
"ماما... ماما... سکندر نے مجھے مارا ہے۔" لمبے بالوں والی بچی بھیگی آنکھیں ملتی تیزی سے اس کے

...ے آگئی۔ عصرہ نے گہری سانس لے کر اسے
دیکھا اور اپنے گال پہ آئے بال پیچھے اڑسے۔
"کیوں؟"
"وہ گیم میں ہار رہا تھا تو اس نے میرا جوائے
اسٹک چھین لیا اور مجھے مارا۔" وہ بھاں بھاں کیے
روئے جارہی تھی۔
"سکندر!" عصرہ نے اسکرین فولڈ کی اور پر
سکون انداز میں زور سے آواز دی۔ سکندر تیوریاں
چڑھائے خفا خفا سا باہر نکل آیا۔
"جی ماما؟"
عصرہ نے دو انگلیوں سے اسے قریب آنے کا
اشارہ کیا۔ وہ سرخ چہرہ لیے سامنے آیا۔
"ماما..... سکندر کو بھی ماریں جیسے اس نے مجھے
مارا ہے۔" اسے دیکھ کے وہ مزید زور سے رونا شروع
ہوئی۔ سکندر نے کھا جانے والی نظروں سے اسے گھورا
مگر خاموش رہا۔
"سکندر......" وہ سنجیدگی سے گویا ہوئی۔ "آپ
نے ابھی کچھ غلط کیا ہے۔ مجھے معلوم ہے کہ وہ غلط کیا
...مگر کیا آپ کو معلوم ہے؟"
سکندر خاموش رہا۔
"آپ میرے کمرے میں جاؤ اور گیارہ منٹ
تک سوچو کہ آپ نے کیا غلط کیا ہے، کیوں کیا ہے۔
پھر واپس آ کے مجھے اپنی ریزنز بتاؤ گے۔" ساتھ ہی
ابرو سے جانے کا اشارہ کیا۔ سکندر خفا خفا سا فوراً اس
کے کمرے کی طرف بڑھ گیا۔ جولیانہ نے آنسو
پونچھتے خفگی سے اسے دیکھا۔
"اسے گیارہ منٹ کیوں دیے، ماما؟ مجھے ہمیشہ
آٹھ منٹ ملتے ہیں۔"
"کیونکہ آپ آٹھ سال کی ہو اور وہ گیارہ سال
کا۔ ہم جتنے بڑے ہوجاتے ہیں، ہمیں اپنی غلطیوں پہ
غور کرنے کے لیے اتنا زیادہ وقت درکار ہوتا ہے۔
اب آپ آنسو صاف کرو۔" وہ نرمی سے کہہ رہی تھی۔
جولیانہ نے زبردستی آنسو صاف کیے اور منہ پھلا کے
بیٹھ گئی۔ عصرہ نے فون اٹھایا اور نمبر ملا کے اسے کان
سے لگایا۔
"کتنا سامان بچا ہے گیلری میں؟" اب وہ اپنی
سیکریٹری سے پوچھ رہی تھی۔
"بس چند ہی آئٹمز ہیں جو بک نہیں سکے۔"
"ان کو آن لائن سیل پہ لگا دو۔ مجھے اس
سارے مال سے جان چھڑانی ہے بس۔"
وہ واقعی جان چھڑانے والے انداز میں کہہ رہی
تھی۔ ساتھ ہی کنپٹیوں کو دبایا۔ نیلامی کی سر دردی
بالآخر ختم ہونے والی تھی۔
بات مکمل ہوئی تو سکندر باہر آتا دکھائی دیا۔ اس
کا چہرہ اب قدرے جھکا ہوا تھا۔ سرخی غائب تھی۔ وہ
چپ چاپ اس کے دوسری طرف آ بیٹھا۔ درمیان
میں ماں تھی...... جولیانہ نے گردن نکال کے اس کا
جائزہ لیا۔
"پھر آپ نے سوچا کہ آپ نے ایسا کیوں کیا
تھا؟"
"جی۔" اس نے جھکے سر کے ساتھ کہا۔
"جولیانہ جیت رہی تھی تو مجھے غصہ آ گیا۔ یہ گیم میں
نے اسے سکھائی تھی۔ میں اس میں جیتنا چاہتا تھا۔"
"تو آپ اسے جیتنے دیتے بعد اور میں نئی گیم
شروع کر کے زیادہ اچھا کھیل کے اسے ہرا دیتے۔"
"وہ تو میں اسے ہرا ہی دوں گا۔" ابرو اچکا کے
بولا، پھر ماں کی شکل دیکھ کے چہرہ جھکایا۔ "سوری
ماما۔"
"جیتنے کے لیے دوسرے کو تکلیف دینا ضروری
نہیں ہوتی، سکندر۔ میں آئندہ یہ نہ سنوں کہ آپ نے
بہن پہ ہاتھ اٹھایا ہے۔ آپ کو معلوم ہے رسول
اللہ ﷺ نے کبھی کسی بچے پہ ہاتھ نہیں اٹھایا تھا؟ آپ
مسلمان ہو۔ اور مسلمان ایسے کرتے ہیں کیا؟"
"مگر ماما۔ جولیانہ چیٹنگ بھی تو کر رہی تھی۔"
عصرہ نے چونک کے گردن گھمائی۔ جولیانہ
یکدم پھیکی پڑ گئی۔
"سکندر سچ کہہ رہا ہے؟" اس نے اسے گھورا۔
جولیانہ کی آنکھوں میں آنسو آ گئے۔

"میں صرف......
"آٹھ منٹ، جولیانہ! صرف آٹھ منٹ!" اس نے چٹکی بجا کے کمرے کی طرف اشارہ کیا۔ وہ آنسو روکتی کمرے کی طرف بھاگی۔

سکندر نے گہری سانس بھری اور ذرا چوڑا ہو کے صوفے پہ بیٹھا۔ "ماما...... آپ اس کو سمجھایا کریں۔ یہ جھوٹ بھی بولنے لگی ہے اور چوری بھی کرتی ہے۔"

"کیا اس نے پہلے بھی ایسا کیا ہے؟" وہ متفکر ہوئی۔

"جی ماما۔ یہ فرینڈ کی نوٹ بک کپڑوں میں چھپا کے لے آئی۔ میں نے دیکھ لی تو کہا کہ یہ غلط بات ہے۔ مگر ماما وہ بدتمیزی سے بولی۔ ماما نے بھی تو ڈیڈ کے لاکر سے فائل نکال کے کپڑوں میں چھپائی تھی۔ ایسا کرنے سے گناہ نہیں ملتا۔"

عصرہ بنت محمود بالکل شل رہ گئی۔ دل دھڑکنا بھول گیا۔

"کیا بے کار بات کر رہے ہو، سکندر؟ میں نے کب کچھ چھپایا ہے؟" پھر غصے سے اس کا چہرہ دہکا۔

"ماما مجھے پتا ہے جولیانہ جھوٹ بول رہی ہے۔" وہ فوراً بولا تو عصرہ نے تھوک نگلا۔

"اگر یہ بات آپ کے ڈیڈ کو معلوم ہوئی تو وہ آپ دونوں سے ناراض ہو جائیں گے۔ وعدہ کرو آپ یہ بات ان کو نہیں کہو گے۔ اگر وہ ناراض ہوئے تو گھر نہیں آئیں گے۔" وہ گھبرا گئی تھی۔

"آف کورس ماما۔ میں نہیں بتاؤں گا۔" اس نے جلدی سے ماں کا ہاتھ دونوں ہاتھوں میں لے کر دبایا۔ عصرہ کو ایک دم ٹھنڈے پسینے آنے لگے تھے۔ وہ اٹھ کھڑی ہوئی۔

"میں اب جولیانہ کو الگ سے ڈانٹتی ہوں۔" سکندر کو تسلی دلا کے وہ تیزی سے کمرے کی طرف آئی۔ جولیانہ بیڈ پہ بیٹھی سر ہاتھوں پہ گرائے ہوئے تھی۔ اسے دیکھ کے چونک کے گردن اٹھائی۔

"ماما، ابھی تو فائیو منٹ ہوئے ہیں اور......"

"جولی۔" عصرہ جلدی سے اس کے ساتھ بیٹھی اور نرمی سے اس کے بالوں کو سہلایا۔ "آپ نے سکندر کو یہ کہا ہے کہ ماما نے ڈیڈ کی الماری سے کچھ چھپایا تھا؟"

جولیانہ نے فوراً نظریں جھکا لیں۔ "میں نے نہیں کہا۔"

"آپ جھوٹ بھی بولنے لگی ہو، جولی۔" وہ بے بسی بھرے غصے سے بولی۔ پھر گہری سانس لے کر خود کو نارمل کیا۔ "مجھے تو نہیں یاد کہ میں نے بھی کچھ کپڑوں میں چھپایا ہو۔"

"وہ اس رات.... میں نے دیکھا تھا۔" اٹک اٹک کے بولی۔ عصرہ کے دل کی دھڑکن سست ہو گئی۔

"کیا؟ مجھے بتاؤ، میں نہیں ڈانٹوں گی۔"

"میں ڈیڈ کے باتھ روم میں تھی تب آپ آئی تھیں اور آپ نے...." وہ رک رک کے بتا رہی تھی۔ "کوئی فائل لاکر سے نکال کے کپڑوں میں چھپائی تھی۔ پھر آپ چلی گئی تھیں۔"

"اور آپ ڈیڈ کے باتھ روم میں کیا کر رہی تھیں؟ ایگزیکٹلی مجھے پتا ہے۔ آپ ٹوتھ پیسٹ کھا رہی تھیں، ہے نا؟" وہ ایک دم غصے سے بولی تو جولیانہ نے سہم کے سر جھکا لیا۔

"آپ کے باتھ روم کی ٹوتھ پیسٹ میں چیک کرتی ہوں تو آپ نے سوچا، آپ ڈیڈ کی کھاؤ گی تو مجھے پتا نہیں چلے گا۔ بتاؤں میں ڈیڈ کو؟ بتاؤں؟"

"ماما سوری۔ آئندہ نہیں کروں گی۔"

"اگر آئندہ آپ نے ٹوتھ پیسٹ کو منہ میں تو میں ڈیڈ کو بتا دوں گی کہ آپ ان کا ٹوتھ پیسٹ کھا لی ہو۔ اس دن بھی مجھے پتہ تھا کہ آپ اندر ہو اسی لیے میں آئی مگر سوچا آپ کو خود احساس ہو جائے گا، اسی لیے میں اپنی چیزیں لے کر چلی گئی۔" وہ اب بے ربط انداز میں کہتی اسی کو ڈانٹے جا رہی تھی۔ ہتھیلیاں پسینے سے بھیگ چکی تھیں۔

جب وہ دونوں باہر نکلیں تو جولیانہ نارمل لگ رہی تھی اور عصرہ بھی سنبھلی ہوئی تھی۔ فاتح گھر آ چکا تھا اور

کچن سے آوازیں آ رہی تھیں۔

وہ جولیانہ کا ہاتھ تھامے قدرے تعجب سے راہداری میں آگے بڑھتی گئی، یہاں تک کہ کچن کا کھلا دروازہ سامنے آیا تو اس نے چوکھٹ سے اندر جھانکا۔

کچن کھلا اور سفید ٹائلز سے آراستہ تھا۔ کاؤنٹر پہ سکندر بیٹھا تھا اور دوسرے کے ساتھ فاتح ٹیک لگائے بازو سینے پہ لپیٹے کھڑا تھا۔ ٹائی ڈھیلی کیے، شرٹ کے کف موڑے، وہ تھکا تھکا لگتا تھا مگر مسکرا کر سکندر سے کچھ کہہ رہا تھا جب وہ اندر داخل ہوئی۔

''تم آج کچن میں کیسے؟''

فاتح نے نگاہیں پھیر کے اسے دیکھا اور مسکرایا۔ ''بھوک لگی تھی۔ کھانا لینے آیا تھا۔''

''کھانا ملازمہ نے ٹیبل پہ لگا تو دیا تھا۔'' عصرہ تعجب سے اندر آئی۔

''ڈیڈ کو کھانے کا ذائقہ نہیں پسند آ رہا، ماما۔'' سکندر نے نوڈلز کے پیالے سے سر اٹھا کے اطلاع دی۔

''کھانا ہمیشہ صبوحی ہی بناتی ہے۔ آج کیا ہو گیا ہے اچانک؟''

''عجیب سا کھانا بناتی ہے وہ۔ میرے معدے میں جلن ہو رہی ہے۔'' وہ کندھے اچکا کے بولا تو عصرہ آگے آئی۔

''میں تمہیں کچھ اور بنا دیتی ہوں۔''

''ہاں شیور۔'' وہ بس مسکرا دیا۔ تکان کے باوجود موڈ اچھا لگ رہا تھا۔ جولیانہ شرمائی شرمائی باپ کے قریب آ کر کھڑی ہوئی۔ فریج سے پیکٹ نکالتی عصرہ نے کن اکھیوں سے اسے دیکھا۔ وہ اس کے لیے چلتا پھرتا ٹائم بم بن چکی تھی۔

''مجھے تم لوگوں سے ایک ضروری بات کہنی ہے۔''

نوڈلز سوپ پیتے سکندر نے گردن موڑی۔ جولیانہ جو کیبنٹ سے ٹیک لگائے کھڑی اپنے لمبے بالوں سے کھیل رہی تھی، چہرہ اٹھا کے دیکھنے لگی۔ عصرہ البتہ نیم رخ موڑے سلیب پہ قیمہ رکھ کے تیز تیز اس سے پیڑے نکالنے لگی۔

''میں نے پارٹی چیئرمین شپ کے لیے کاغذات جمع کروا دیے ہیں۔ دو ماہ بعد الیکشن ہے۔ سوموار سے ہم کمپین شروع کریں گے۔''

''کیا پھر آپ پارٹی چیئرمین بن جائیں گے۔''

''کیا آپ پردھان منتری بن جائیں گے؟''

دونوں بچوں نے یکے بعد دیگرے سوال پوچھا۔ عصرہ کے ہاتھوں میں مزید تیزی آ گئی۔

''جب کوئی اسکول کی فٹ بال ٹیم میں شامل ہوتا ہے تو اس کا خواب ہوتا ہے کہ وہ بہترین پلیئر بنے۔ پھر وہ کیپٹن بنے، پھر وہ قومی لیول پہ کھیلے۔ اور آخر میں وہ قومی ٹیم کا کیپٹن بنے۔ جب کوئی فوج میں بھرتی ہوتا ہے تو وہ چاہتا ہے کہ ایک دن وہ آرمی چیف بنے۔ اپنے ملک کی اعلیٰ ترین سطح پہ نمائندگی کرنے کا خواب دیکھنا بری بات نہیں ہے۔ ہر سیاست دان اعلیٰ ترین مقام پہ پہنچنا چاہتا ہے۔ اور میں.....'' اس نے باری باری تینوں کو دیکھا۔ ''اس کے بہت قریب ہوں۔ تم لوگوں سے میں صرف اتنا چاہتا ہوں کہ تم میرا ساتھ دو۔''

بچے چپ ہو گئے۔ جولیانہ نے ماں کو دیکھا اور سکندر کا چہرہ جھک گیا۔

''جب بھی کیمپین شپ شروع ہوتی ہے ڈیڈ، ہر طرف سے مسئلے شروع ہو جاتے ہیں۔'' اس کو ''مسئلوں'' کے علاوہ کوئی لفظ نہیں مل رہا تھا۔

''تم یہ یقین رکھو سکندر کہ تمہارا باپ ہر موقع پہ تمہاری حفاظت کرے گا اور۔''

''جیسے آریانہ کی حفاظت کی تھی؟'' عصرہ نے ایک دم میٹ بال ڈش میں پٹخی اور اس کی طرف گھومی تو آنکھوں میں بے بسی بھرا غصہ تھا۔ ''اور اگر میں آریانہ کو بھلا بھی دوں، تب بھی ہر کیمپین کے شروع ہوتے ہی منفی مہم شروع ہو جاتی ہے۔ میرے بچوں سے رپورٹرز سوال پوچھتے ہیں۔ مجھے ہر جگہ مسکرا مسکرا کے لوگوں سے وعدے کرنے پڑتے ہیں۔ انٹرویوز،

اخبارات.... اور پھر آئے روز اخبارات میں تمہارے اوپر کیچڑ اچھالا جاتا ہے۔ بچے اسکول جانے سے ڈرنے لگتے ہیں۔ تم گھر کی شکل دیکھنا بھول جاتے ہو۔ ہم تمہارے لیے ترس جاتے ہیں اور اس ساری بھاگ دوڑ کے آخر میں فاتح بن را مزل تم ہار جاؤ گے تو کیا ہو گا؟ ہاں؟''

بولتے بولتے اس کی آنکھوں میں پانی آ گیا۔

''اور اگر ہم جیت گئے تو؟'' وہ اتنا ہی پرسکون کھڑا تھا۔ عصرہ نے تاسف بھری نظر اس پہ ڈالی، پھر ڈش پرے کھسکائی اور پیر پٹختی وہاں سے نکل گئی۔

فاتح نے گہری سانس بھری اور خاموشی سے سنک تک گیا۔ ہاتھ دھوئے اور قیمے کی ڈش کو اپنے قریب کیا۔ پیڑہ اٹھایا اور اسے گول شکل دینے لگا۔ اس کے ہاتھ مہارت سے چل رہے تھے۔ ذہن عصرہ کی باتوں میں الجھا تھا۔

تھوڑی دیر بعد وہ خاموشی سے پاستہ کے اوپر میٹ بالز پلیٹ میں سجائے میز پہ رکھ رہا تھا تو ٹوکری میں پڑی سبزیاں دیکھ کے چونکا۔

''پہلے خیال کیوں نہیں آیا۔'' ماتھے کو چھوا پھر چھریوں کے اسٹینڈ کی طرف بڑھا۔ سب سے بڑا چھرا نکالا اور سلاد کی سبزیاں الگ کر کے کٹنگ بورڈ پہ رکھیں۔ اب وہ تیز تیز ہاتھ چلاتے ان کو کاٹ رہا تھا۔ سکندر آہستہ آہستہ سوپ پیتے ہوئے اسے دیکھ رہا تھا۔

''ڈیڈ..... آپ کو یہ کرنا آتا ہے۔''

''نہیں..... لیکن تمہاری ماں ناراض ہو چکی ہے اور ملازم گھر جا چکے ہیں۔ خود ہی کرنا پڑے گا۔'' اس نے سلاد پلیٹ میں ڈالا اور جھک کے چمچ سے پاستہ کا ذائقہ چکھا۔ مگر چہرے پہ بدمزگی پھیلی۔ ''بس گزارے لائق ہے۔''

اسے ذائقہ پسند نہیں آ رہا تھا۔ پراسیس کیے گئے پیکٹ والے کھانے' بے تاثیر بے سواد۔

معلوم نہیں کیوں مگر ذہن میں کوئی ''موازنہ'' سا تھا جس کے سامنے یہ کھانا بے کار لگ رہا تھا۔

اپنے کمرے میں عصرہ آنکھوں پہ بازو رکھے لیٹی تھی اور ساتھ بیڈ پہ آڑی ترچھی لیٹی جولیا نہ کوئی کلرنگ بک کھولے 'رنگ بھرتی' کہہ رہی تھی۔

''آج ڈیڈ خود کیوں کھانا بنا رہے ہیں؟ وہ تو پانی پینے بھی کچن میں نہیں آتے تھے اور آج کہہ رہے تھے مجھے پکتے سوپ کی مہک اچھی لگ رہی ہے۔ ماما...... ڈیڈ ایسے کیوں ہو گئے ہیں۔'' پھر رک کے انگلیوں پہ کچھ گنا۔ ''آپ ان سے ناراض ہیں تو کیا آپ ان کو فورٹی ایٹ منٹس دیں گی؟''

''مجھے تنگ مت کرو' جولی۔'' ناگواری سے کہتے اس نے کروٹ بدل لی۔ ایک آنسو آنکھ سے گرا اور تکیے میں جذب ہو گیا۔

(ساری اداکاری تھی فیملی مین بننے کی تاکہ وہ لوگ یقین کر لیں کہ اس کو ان کی پرواہ ہے۔ ہونہہ۔)

عصرہ کے اندازے لامحدود تھے۔

☆☆☆

یونیورسٹی میں اکثر کلاسز ختم ہو چکی تھیں اس لیے طلبا طالبات کا جمِ غفیر گیٹ سے باہر نکلتا دکھائی دے رہا تھا۔ پارکنگ میں حسبِ معمول بے حد رش تھا اور سب اپنے اپنے بیگز اٹھائے اپنی مطلوبہ سواری کی طرف بڑھ رہے تھے۔ اسکارف' اسکرٹ' باجو کرنگ' مغربی لباس غرض ہر طرح کا لباس پہنے لڑکیاں باہر آتی دکھائی دے رہی تھیں۔ ایسے میں ایک پھول دار اسکارف والی لڑکی بیگ کندھے پہ ڈالے' موبائل کے بٹن دباتی سڑک کراس کرنے لگی تو عقب سے آواز آئی۔

''فاطمہ!''

وہ چونک کے گھومی۔ پھر اس نے نوجوان کو وہاں کھڑے دیکھ کر تعجب سے ابرو اکٹھے کیے۔

''ایڈم...... تم؟ ادھر؟'' وہ حیران رہ گئی تھی۔ دھوپ کے باعث ماتھے پہ ہاتھ کا چھجا بنا کے دیکھا۔ در واقعی ایڈم ہی تھا۔ چھوٹے بالوں اور نکھری رنگت والا ایڈم۔ سیاہ پینٹ پہ سفید ٹی شرٹ پہنے سنجیدہ لگ رہا تھا۔

''فاطمہ! ہم بیٹھ کے بات کر سکتے ہیں؟''

''ہاں... ادھر آ جاؤ۔'' فاطمہ سنجیدگی سے کہتی

آگے بڑھ گئی۔
دونوں فٹ پاتھ پہ چلتے بس اسٹینڈ تک آئے جہاں چھپر تلے بینچ رکھا تھا۔ فاطمہ قدرے تکلف سے ادھر بیٹھی' درمیان میں کتابیں اور بیگ رکھا اور ہاتھ سے اسے کتابوں کے اس طرف بیٹھنے کا اشارہ کیا۔ وہ سر جھکائے متانت سے بیٹھ گیا۔

"تم خیریت سے آئے ہو؟" پھر جیسے یاد آیا۔ "تمہارا تحفہ مل گیا تھا مجھے۔ شکریہ اس کے لیے۔"

ایڈم بن محمد نے گہری سانس لی۔ چار ماہ پہلے بھیجا گیا تحفہ اسے یاد بھی نہ تھا۔ بلکہ.....ایک ہفتہ قبل بھیجا گیا تحفہ (دل ہی دل میں اپنی تصحیح کی) جس کے لیے اس نے عصرہ اور تالیہ دونوں سے مشورہ مانگا تھا۔ تب اس کے مسئلے محدود تھے۔ اور اب تو زمانہ ہی بدل چکا تھا۔ وہ وقت اور وہ احساسات دونوں ہی گم گشتہ سے لگتے تھے۔ پرانے اور فراموش کردہ۔

"فاطمہ..... میں ہماری شادی کے بارے میں بات کرنا چاہتا ہوں۔"

"سنو ایڈم!" وہ بات کاٹ کے بولی تو ایڈم نے دیکھا۔ پھول دار اسکارف کے ہالے میں مقید چہرے پہ خفگی تھی۔ وہ خوش شکل اور صاف رنگت والی پراعتماد مگر سنجیدہ سی لڑکی تھی اور اس وقت وہ تکلف سے بیٹھی نظر آتی تھی۔

"میں کھاتے پیتے گھرانے سے تعلق رکھتی ہوں۔ تمہارا اور میرا رشتہ ارینج طریقے سے ہوا تھا تب تم فوج میں تھے۔ میں کتنے عرصے سے تمہارے نام پہ بیٹھی ہوں۔ تم نے فوج چھوڑ دی' پھر تمہیں کوئی نوکری نہیں ملی۔ وان فاتح کی نوکری بھی تم سے مستقل نہ ہو سکی....."

"وہ تو صرف چند دن کی تھی۔" مگر وہ نہیں سن رہی تھی۔

"اب تم بتاؤ میرے والدین کیسے تمہارے ساتھ میری شادی کر دیں؟ ایڈم جب تک ان کو کوئی فنانشل سیکیورٹی نہیں ملے گی' وہ شادی نہیں کریں گے۔ اب خالہ بتا رہی تھیں کہ تم ایک دم سے لکھنے لکھانے کی طرف چلے گئے ہو۔ ایڈم یہ کیا ہے؟"

ایڈم کے رخسار گلابی ہوئے۔ (یہ ایبو بھی نا!)

"وہ الگ بات ہے' فاطمہ۔ میں صرف یہ کہنے آیا ہوں کہ انکل اگر مجھے تھوڑا وقت دے دیں' بس چند ماہ تو میں کچھ نہ کچھ کر لوں گا۔ بس وہ یہ دو ہفتے کے اندر اندر اسٹیبلیش ہونے کی شرط چھوڑ دیں۔ تم خود بتاؤ فاطمہ دو ہفتے کے اندر میں کیسے امیر ہو سکتا ہوں۔" وہ روہانسا ہوا۔

"تو چند ماہ میں کیسے ہو گے؟"

ایڈم چپ ہوا۔ تھوک نگلا۔ "مجھے امید ہے کسی طرف سے۔ بس یہ سمجھو بہت جلد میرے پاس پیسہ آ جائے گا۔" (خزانہ نکالنے کے بعد بیچنے میں بھی وقت لگنا تھا۔)

"بغیر محنت کے؟ بغیر ہاتھ پاؤں ہلائے؟" وہ طنز سے بولی۔ "اس طرح اچانک سے کیا تمہارے باغیچے سے تیل کا کنواں نکلے گا یا صحن میں خزانہ دفن ہوا ملے گا؟"

بس زور سے ہارن بجاتی گزری اور ایڈم بھی اندر تک ہل گیا۔ نظریں چرا لیں۔

"بالفرض میرے گھر کی زمین سے خزانہ نکل آئے تو کیا تب تم مجھ سے شادی کر لو گی؟"

"نکل بھی آیا تو کون سا تمہارا ہو گا؟" وہ سر جھٹک کے اٹھ کھڑی ہوئی۔ "ایڈم تم کوئی اچھی نوکری ڈھونڈو اور اگر ایسا نہ ہوا تو یقین رکھو' بابا پاپا یہ رشتہ ختم کر دیں گے۔ میں پہلے ہی ماما بابا پا کی پریشانی دیکھ کے ڈسٹرب ہوں۔"

"فاطمہ فاطمہ......" وہ ملتجی انداز میں کھڑا ہوا۔ "پلیز تم میرا یقین رکھو۔ میں محنت کروں گا اور کوشش بھی اور......" یک دم وہ ٹھہرا اور ٹکر ٹکر اسے دیکھنے لگا۔ اطراف سے گاڑیاں ہارن بجاتی زن سے گزر رہی تھیں مگر ایڈم بن محمد بالکل گم صم ہو گیا تھا۔

"کیا کہا تم نے؟"

"بابا پا یہ رشتہ ختم کر دیں گے ایڈم۔"

"نہیں اس سے پہلے..... تم نے کہا خزانہ نکل بھی

آیا تو میرا نہیں ہوگا۔ کیوں؟" وہ جیسے کسی خواب سے جاگا تھا۔ پانچ سو ستاون سال قدیم خواب سے۔

"کیوں نہیں ہوگا وہ میرا؟"

"وہ تو میں روانی میں کہہ گئی۔ یہ کتابیں پڑھ پڑھ کے دماغ خشک ہو جاتا ہے۔" اس نے سر جھکا اور بنچ سے اپنی قانون کی موٹی سیاہ کتابیں اٹھائیں۔ ایڈم یک ٹک اسے دیکھ رہا تھا۔ فاطمہ نے چیزیں سمیٹ کے اس کو دیکھا تو وہ اسی طرح حیران اور گم صم سا کھڑا تھا۔ اس نے گہری سانس لی۔

"Treasure trove Act 1995

تمہیں نہیں معلوم ایڈم؟"

اور ایڈم بن محمد کے سارے خواب کسی ایسے ہیرے کی طرح چکنا چور ہوئے جس کو آسمان سے زمین پہ پھینکا جائے اور اس کی چمکتی کرچیاں دور دور تک پھیل جائیں۔

☆☆☆

حالم کے بنگلے پہ اندھیرا پھیلا تھا۔ پورچ کی بتی آج پھر بجھی تھی۔ داتن اندر آئی تو پہلے پورچ روشن کیا، پھر لاؤنج کی بتیاں جلائیں۔ تالیہ وہاں نہیں تھی۔ تہہ خانے کی طرف جاتا دروازہ کھلا تھا اور وہاں سے روشنی آرہی تھی۔ داتن نے گروسری کے تھیلے وہیں رکھے اور برہمی سے ماتھے پہ بل ڈالے زینوں کی طرف آئی۔

"تم نے لاپروائی کی حد کردی۔ دروازہ کھول کے بیٹھی ہو۔ اتنا قیمتی سامان رکھا ہے یہاں اور......"

داتن زینے دھپ دھپ اترتی نیچے آئی اور اس پہ چڑھ دوڑی جو فرش پہ اکڑوں بیٹھی تھی اور اگلے ہی لمحے وہ ٹھٹکی۔

بے یقینی سے گردن چاروں طرف موڑی۔

وہاں بنے سیف کے مختلف دروازے کھلے تھے اور وہ اندر سے خالی تھے۔ پینٹنگز کے کارٹن بھی غائب تھے اور خالی ڈبے اور کھڑکی کے ٹکڑے ادھر ادھر بکھرے تھے۔ داتن پدوکا نے دہل کے سینے پہ ہاتھ رکھا۔

"وہ خوف تھا۔"

"تالیہ!" داتن نے اسے سر سے پیر تک دیکھا۔ پھر اسے فکر ہوئی "تمہیں کیا ہوا ہے؟ اور یہ سب کہاں گیا ہے؟"

"اگر اب میں سوچوں تو وہ خوف تھا۔ بچپن میں......" وہ اس کو دیکھتی اپنی رو میں کہہ رہی تھی۔ شاید داتن کے چہرے کی لکیروں میں اپنی زندگی کی فلم چلتی دیکھ رہی تھی۔ "اور وہ لالچ بھی تھا اور جبر بھی۔ کون سا جذبہ پہلے آیا، مجھے نہیں یاد۔ لیکن جب یتیم خانے اور بعد میں میرے فوسٹر پیرنٹس کے گھر مجھے جبر سے دبایا جاتا، خواہشات کو پورا کرنے سے روکا جاتا تو میں چوری کرنے پر مجبور ہو جاتی۔ پھر وہ عادت بن گئی۔ چرالینا اور پوچھے جانے پہ جھوٹ بول دینا۔ لیکن اب اگر سوچوں تو حاوی ترین جذبہ خوف ہوتا تھا۔"

"تالیہ...... تم ٹھیک ہو؟" داتن اس سے لمحے بھر کے لیے بھی نظریں ہٹائے بغیر کرسی کھینچتی قریب آئی اور بیٹھی۔

"میں ہمیشہ خوف زدہ رہی ہوں۔ یہ ڈر میری بات سنی نہیں جائے گی یا مجھے ڈانٹ کے خاموش کرادیا جائے گا، مجھ سے جھوٹ بلواتا رہا اور جب ڈر ختم ہو گیا تو یہ ان سیکیورٹی پیدا ہو گئی کہ اگر میں من گھڑت باتیں نہیں کہوں گی تو مجھے کچھ نہیں ملے گا۔ لوگ مجھے میرے سچ کے ساتھ قبول نہیں کریں گے۔ میں ہمیشہ خوف کے زیر اثر رہی ہوں داتن۔ میں بھی بہادری سے اپنے اصل کا سامنا نہیں کرسکی۔" الجھی بکھری سنہری لٹیں اس کے گالوں پہ جھول رہی تھیں اور وہ دیوار کو دیکھتی بے خودی بولے جا رہی تھی۔

"لیکن پھر میں ایسے انسان سے ملی جس نے مجھے سکھایا کہ انسان کی سب سے بڑی خوبی اس کی سچائی اور امانت داری ہوتی ہے۔ جو لوگ سچے ہوتے ہیں وہ اپنی نظروں میں باعزت ہوتے ہیں۔ اپنے قول کے پکے ہوتے ہیں۔ ان کے سارے خوف دور ہو جاتے ہیں۔ وہ سر اٹھا کے جی سکتے ہیں۔ صرف وہی ہوتے ہیں بہادر اور میں نے سوچا کہ میں بھی

ایسی بننا چاہتی ہوں۔"

"تالیہ؟" داتن اسے تشویش سے دیکھ رہی تھی۔

"مگر یہ اتنا آسان نہیں تھا۔" تالیہ اداسی سے مسکرائی۔ "پہلے اپنے سارے جھوٹوں کی سزا ملنا تھی۔ پہلے کفارے ادا ہونے تھے۔ میرے ساتھ زندگی نے ہی جھوٹ بول دیا، داتن!" اس کی گم صم آنکھیں پانی سے چمکیں۔ "مجھے کچھ اور دکھا کے کچھ اور عطا کر دیا۔ مجھے اتنا ناقابلِ اعتبار بنا دیا کہ اگر میں اپنی زندگی کا سب سے بڑا سچ بولنا چاہوں تو بھی کوئی یقین نہیں کرے گا۔"

"تالیہ.....کیا ہوا ہے؟"

"مگر اب نہیں، داتن!" اس نے آنکھیں پوروں سے رگڑیں۔ "اب میں اس خوف کے ساتھ نہیں جیوں گی۔ اب میں بھی ایڈم کی طرح سچ بولنا چاہتی ہوں اور وان فاتح کی طرح اپنے قول کو سچا بنانا چاہتی ہوں۔ میں نے بہت سے قانون توڑے ہیں اب مزید نہیں توڑوں گی۔ یہ سب...." اطراف میں نظر دوڑائی۔ "یہ سب میرا نہیں تھا۔ یہ سب دوسرے لوگوں اور میوزیمز کا تھا۔ میں نے ایک ایک چیز واپس کر دی ہے۔ جیسے چرانا آتا ہے ویسے ہی گم نام طریقے سے لوٹانا بھی آتا ہے۔"

داتن نے دہل کے پھر سے سینے پہ ہاتھ رکھا۔

"تالیہ.....نہ کرو.....وہ سب......"

"اور جو کچھ میں خرچ کر چکی ہوں۔" وہ بات جاری رکھتے ہوئے بولی۔ "اس کا میں کچھ نہیں کر سکتی۔ میں امید کرتی ہوں کہ میری ایمان داری کے باعث اللہ تعالیٰ اور پھر وہ لوگ جن سے میں نے وہ چیزیں چرائی تھیں، مجھے معاف کر دیں گے۔"

"اب کیا ہوگا تالیہ؟ تم کہاں سے کھاؤ گی؟ کیا کماؤ گی؟" داتن نے دہل کے سینے پہ ہاتھ رکھا ہوا تھا۔

تالیہ نے گہری سانس لی اور بال کان کے پیچھے کیے۔

"میں نے جاب ڈھونڈ لی ہے۔ اور میرے پاس بہت سا زیور بھی ہے۔ جو واقعی میرا ہے۔ اور مجھے ایک اور جگہ سے بھی امید ہے۔" اس کے ذہن میں سن باؤ کا صحن گھوما۔ "ہاں مجھے ابھی بھی بہت سارا پیسہ حاصل کرنے کا شوق ہے لیکن اب میں صرف اس پیسے کو قبول کروں گی جو واقعی میرا ہوگا۔"

پھر نم آنکھوں سے مسکرائی تو داتن نے دیکھا، اس کی ناک سرخ ہو رہی تھی۔

"رہیں تم تو میں تمہیں یہ کام چھوڑنے پہ مجبور نہیں کروں گی۔ تم اپنے فیصلوں میں آزاد ہو۔ میں اور تم ہمیشہ دوست رہیں گے۔"

داتن نے ملال سے اس خالی خالی سے کمرے کو دیکھا۔ "ایسا کیا ہوا ہے چار دن میں جو تم اتنی بدل گئی ہو تالیہ؟"

"مجھے وان فاتح سے محبت ہو گئی ہے داتن۔" زخمی سا وہ مسکرائی اور کپڑے جھاڑتی اٹھ کھڑی ہوئی۔ داتن سانس روک کے اسے دیکھے گئی۔ پھر کہنے کی کوشش کی۔

"اسی فیصد لوگوں کو ہر چھ ماہ بعد نیا کرش ہو جاتا ہے اور وہ چار ماہ میں اتر بھی جاتا ہے مگر......"

"تم نہیں سمجھو گی، داتن!" وہ مسکراتے ہوئے بولی پھر ایڑیوں پہ گول گول گھوم گئی۔ خالی کمرا بہت کھلا کھلا سا لگ رہا تھا۔

"میں نے یہ سب واپس کر دیا ہے، پھر بھی میرا دل ہلکا کیوں نہیں ہوا؟" اس نے سوچا تھا۔ تبھی موبائل بجا تو تالیہ نے اسے نکال کے دیکھا۔

"کیا ہم مل سکتے ہیں؟" ایڈم کا پیغام وہاں جگمگا رہا تھا۔

☆☆☆

ایڈم ریستوران کی آخری میز پہ بیٹھا بے چینی سے اس کا انتظار کر رہا تھا۔ تالیہ جیسے ہی دروازے سے اندر داخل ہوتی دکھائی دی، وہ اٹھ کھڑا ہوا۔

وہ ہشاش بشاش اور تازہ دم لگتی تھی۔ سادہ باجو کرنگ پہنے، بالوں میں ہیئر بینڈ لگائے، سر پہ ترچھی

ہیٹ جمائے، مسکراتی ہوئی اس کے سامنے آئی اور کرسی سنبھالی۔ پھر کہنیاں میز پر رکھیں اور پھر چمکتی آنکھوں میں شرارت بھر کے اسے دیکھا۔

''میں نے سارا ''ادھار شدہ'' مال اصل مالکوں کو واپس کر دیا ہے۔'' فاتحانہ انداز میں بولی تو ایڈم پھیکا سا مسکرایا۔

''گڈ۔''

''صرف گڈ؟ ارے اس پہ تو تمہیں اپنی شہزادی کی شان میں ایک قصیدہ لکھنا چاہیے تھا۔''

''چے تالیہ......'' وہ دھیما سا بولا۔ چہرہ بجھا بجھا سا لگتا تھا اور اداس نظریں تالیہ پہ جمی تھیں۔ ''سن باؤ کا خزانہ......''

''ہاں وہی بتانے لگی تھی۔'' وہ جوش سے آگے کو جھکی۔ ''فاتح صاحب نے گھر میرے حوالے کر دیا ہے۔ کل صبح ہم ملاکہ جائیں گے۔ میں نے کھدائی کا سامان خرید لیا ہے۔ ہمیں احتیاط سے کھدائی کرنی ہے تاکہ خزانہ نکال کے ہم کوئی نشان چھوڑے بغیر صحن کو برابر کر دیں اور......''

''چے تالیہ وہ خزانہ ہمارا نہیں ہے۔''

ایک دم سے جیسے سارے شہر میں سناٹا چھا گیا۔ تالیہ ٹکر ٹکر اس کا چہرہ دیکھنے لگی۔

''کیا؟'' اسے واقعی سمجھ میں نہیں آیا تھا۔

''وہ خزانہ ہم نہیں لے سکتے۔''

تالیہ نے اسے یوں دیکھا جیسے اس کا دماغ چل گیا ہو۔ پھر ادھر اُدھر نگاہ دوڑائی۔ لوگ اپنی اپنی میزوں پہ کھانے پینے میں مگن تھے، کوئی اس طرف متوجہ نہ تھا۔

''کیوں؟ وہ ہمارا ہے۔ ہم نے دبایا ہے۔''

''مگر چھ صدیوں تک اس کی حفاظت ہم نے نہیں ''زمین'' نے کی ہے۔ اسے امانت کی طرح اپنے اندر ہم نے نہیں ''زمین'' نے چھپایا ہے۔''

''تو؟''

''تو یہ کہ ''زمین'' سرکار کی ہوتی ہے۔''

وہ بالکل سُن رہ گئی۔ ساکت، مجسّم۔ ارد گرد پھرتے لوگوں کے ہجوم میں بھی اسے کوئی آواز سنائی نہیں دے رہی تھی۔

''Treasure trove act کے تحت ملائیشیا کی زمین سے کوئی بھی چھپا ہوا خزانہ ڈھونڈ نے پہ شہری کا فرض ہے کہ وہ اسے حکومت کے حوالے کر دے کیونکہ زمین میں چھپے خزانے سرکار کی ملکیت ہوتے ہیں۔ اگر ہم اس کی اطلاع حکومت کو نہیں دیں گے تو ہم مجرم ہوں گے اور پولیس ہمیں گرفتار کر سکتی ہے۔ خزانہ چھپانے پہ بھاری جرمانہ اور قید کی سزا ہے۔''

''وہ خزانہ......'' وہ ایک دم غرائی' پھر آواز مدھم کی۔ ''وہ خزانہ ہمارا ہے۔ جائز اور حلال۔ وہ حکومت کا نہیں ہے۔''

''وہ صرف اسی صورت میں ہمارا ہو سکتا تھا اگر اس پہ 50 سال سے کم عرصہ گزرا ہو یا اس کو ہمارے آبا و اجداد نے دفنایا ہو اور ہم اس پہ کلیم کر سکیں۔ مگر ہم کلیم ثابت نہیں کر سکتے۔ قانوناً وہ ہمارا نہیں ہے۔''

''میری بات کان کھول کے سنو ایڈم!'' وہ میز پہ زور سے ہاتھ مار کے بولی۔ ''میں نے سارا لوٹا مال واپس کر دیا کیونکہ وہ میرا نہیں تھا۔ میں نے پھر سے زندگی شروع کی۔ جاب ڈھونڈی۔ ایک نیلامی پہ ان سے جھوٹ بولا تھا تو وہ ناراض ہو گئے تھے۔ اس نیلامی پہ ان سے سچ بولا۔ اب میں زمین کو سونپی اپنی امانت واپس لینے آئی ہوں تو تم کہہ رہے ہو کہ میں اسے چھوڑ دوں؟ غلط۔ میں نہیں مانتی ایسے قانون کو۔ مجھے اور تمہیں معلوم ہے کہ وہ خزانہ ہمارا ہے اور جائز ہے تو ہم کس طرح اس کو چھوڑ دیں؟''

''مجھے بھی اس کی اتنی ضرورت ہے جتنی آپ کو لیکن میں قانون نہیں توڑوں گا۔ البتہ میں آپ کو منع بھی نہیں کروں گا نہ میں کسی کو بتاؤں گا۔ آپ خزانہ نکال لیں...... بیچ دیں...... جو بھی کریں، آپ یہ سب اپنے لیے کریں گی۔ مگر ایک فیصلہ آپ کو ابھی سے کرنا ہے۔ کیا آپ واقعی ایمان دار بننے جا رہی ہیں؟ اگر ایسا ہے تو آپ کو ملک کے قانون کا احترام کرنا ہوگا۔ اور اگر آپ یہ نہیں کرتیں تو کیا آپ خود اپنے وعدوں

پہ یقین کر پائیں گی۔"
"وہ خزانہ میرا ہے۔" وہ دونوں ہتھیلیاں میز پہ جمائے اٹھی اور اس کی طرف جھک کے غرائی۔
"تم... تمہارے اصول... تمہارے قانون... تم سب جہنم میں جاؤ۔ مجھ سے میری زندگی لے لی گئی۔ مجھ سے فاتح کو لے لیا گیا۔ میرا باپ وقت کی چابی نے مجھ سے دور کر دیا... میرا آخری رشتہ تھا وہ اور وہ بھی مجھ سے چھن گیا (غصے سے منہ سے نکلا)۔ میں پہلے ہی اپنی بیشتر دولت دے چکی ہوں۔ اور اب میں اپنا جائز خزانہ بھی دے دوں؟ ہرگز نہیں۔" اس کا رنگ شدت جذبات سے سرخ پڑ چکا تھا۔

"میں نے کہا نا... آپ اپنے فیصلوں میں آزاد ہیں۔ فتویٰ بہت سی چیزوں کی اجازت دے دیتا ہے۔ لیکن جس دین کو میں مانتا ہوں اس میں تقویٰ انسان کو بہت سے غیر ضروری بوجھ سے بچا بھی لیتا ہے۔ میں اپنے ضمیر پہ بوجھ نہیں ڈالنا چاہتا۔" وہ سادگی مگر اداسی سے کہہ رہا تھا۔ اس کی آنکھیں بجھی بجھی سی تھیں۔ تالیہ نے ایک غصیلی نظر اس پہ ڈالی، پرس دبوچ کے اٹھایا اور تیز قدموں سے آگے بڑھ گئی۔

ایڈم نے اسے دکھی دل کے ساتھ جاتے دیکھا۔ ملال اور درد بہت تھا مگر ایک بات طے تھی کہ آدم بن محمد کا سر جھکا ہوا نہیں تھا۔

ہر بوجھ سے آزاد۔

☆☆☆

اتوار کی صبح اشعر محمود کے قلعہ نما گھر کے لان میں ہرن دھوپ سینکتے دکھائی دے رہے تھے۔ صبح خوب بارش ہوئی تھی۔ سارا لان نہا دھو کے نکھر گیا تھا۔ اب اچانک — دھوپ نکل آئی تو ہرن گھاس پہ لیٹ گئے تھے۔

لان کے وسط میں لکڑی کی سیڑھیاں بنی تھیں جو اوپر ایک کینوپی تک جاتی تھیں۔ مخروطی چھت والی کینوپی کے اندر لکڑی کے بینچ آمنے سامنے رکھے تھے۔ اشعر ایک بینچ پہ براجمان، پیر پنچی صورت میز پہ رکھے ہوئے تھا۔ جینز کے اوپر ٹی شرٹ پہنے، بالوں کو عام دنوں کے برعکس ماتھے پہ بکھیرے، وہ اخبار سامنے پھیلائے ہوئے تھا۔

"ایش!" اس نے زینے چڑھنے کی آواز سن لی پھر بھی اخبار پڑھتا رہا۔ جب عصرہ سامنے آ کھڑی ہوئی تو اشعر نے اخبار کا کونا موڑا اور سپاٹ نظروں سے اسے دیکھا۔

"اتنی صبح؟ خیریت؟" انداز سرد تھا۔

"مجھے بات کرنی تھی۔" عصرہ شدید پریشان نظر آتی تھی۔ اسکرٹ کے اوپر کندھوں کے گرد سادہ شال لپیٹے، وہ میک اپ سے عاری چہرہ لیے، بال باندھے یوں دکھائی دے رہی تھی گویا ابھی نیند سے اٹھ کے آئی ہو۔

"فاتح نے کاغذات جمع کروا دیے۔ میں جانتی ہوں اس بات پہ تم مجھ سے ناراض ہو لیکن اس روز گھائل غزال والی مدد کے بدلے میں اس نے کہا تھا کہ......"

"آپ نے عظیم طاعون کے بارے میں سن رکھا ہے، کاکا؟" تحمل سے اخبار لپیٹتے ہوئے اس نے عصرہ کو دیکھا۔

"اب تم فاتح کی طرح باتیں مت کرو۔" وہ خفگی سے کہتی سامنے بیٹھی مگر اشعر نے بات نہیں سنی۔ اخبار میز پر ڈالتے ہوئے بولا۔

"اور آپ نے وہ نظم سنی ہے Ring-a-Ring-a-roses؟ بعض کہتے ہیں کہ وہ نظم یورپ کے عظیم طاعون کے بارے میں تھی، جب لاکھوں لوگ طاعون سے مر گئے تھے۔ ان کو سرخ دانے نکلتے تھے۔ جو سرخ دائروں کی صورت نشان چھوڑ جاتے ہیں۔ اور ہاں...... طاعون کے مریض جیب میں poises (پھول) اٹھا کے پھرتے تھے تاکہ خوشبو بیماری کی بو کو ڈھانک دے اور شفا دے۔ ان کے جسم سیاہ پڑ جاتے اور طاعون کے مریضوں کے مرنے کے بعد ان کی لاشیں اور ان کے گھر جلا دیے جاتے۔ یعنی آخر میں......" وہ آگے ہوا

اور پھر چبھتی نظروں سے عصرہ کو دیکھا۔" آخر میں وہ سب مر جاتے تھے۔"

پھر اس نے آہستہ سے نظم پڑھی۔

Ring around the rosies

(سرخ پھول جیسے دانے کے گرد دائرہ)

A pocket full of posies

(پھولوں کا چھوٹا سا گلدستہ جیب میں ہے)

Ashes Ashes

(راکھ......راکھ)

We all fall down

(اور ہم سب ڈھاتے چلے گئے)

اس نے آخری الفاظ اتنے سرد انداز میں ادا کے عصرہ نے پریشانی سے اسے دیکھا۔

"اشعر پلیز میری بات سنو۔"

"وان فاتح کیا سمجھتے ہیں؟ اگر وہ چیئرمین شپ کے لیے کاغذات جمع کرائیں گے یہ جانتے ہوئے بھی کہ میں کہہ چکا ہوں' یہ سیٹ میری ہے' تو وہ کامیاب ہو جائیں گے؟ نہیں کاکا۔ ہم سب راکھ کا ڈھیر بن کے ایک ساتھ ڈھے جائیں گے۔"

"میں نے بہت کوشش کی ہے' اشعر لیکن وہ نہیں مانتا۔ اس نے آخر میں اپنی مرضی ہی کرنی ہوتی ہے۔"

"آپ نے مجھ سے وعدہ کیا تھا کہ چیئرمین میں بنوں گا۔ آپ نے کہا تھا کہ آبنگ سیاست سے کنارہ کش ہو کے مجھے endorse کریں گے لیکن کل میں نے سنا کہ وہ الیکشن لڑ رہے ہیں۔ واہ' کاکا۔ واہ۔" ناگواری بھرے غصے سے کہتا وہ گردن موڑے گھاس کو دیکھنے لگا۔ وہ سخت ناراض لگتا تھا۔

"اگر وہ گھاس غزال والا معاملہ نہ ہوتا تو......"

عصرہ بے بسی سے بولی، پھر سر جھٹکا۔ "مگر نہیں۔ وہ تب بھی میری نہ مانتا۔ اسے اپنی ہی کرنی ہوتی ہے اور اب تو وہ عجیب سا ہو گیا ہے۔ بے نیاز سا۔ جب سے وہ ملاکہ سے واپس آیا ہے بدلا بدلا لگتا ہے۔"

اشعر نے چونک کے اسے دیکھا' پھر تعجب سے ابرو اٹھایا۔ "کیا بدلا ہوا لگتا ہے؟ مجھے تو ویسے ہی لگے ہیں۔ سوائے آنکھ کے زخم کے۔"

"تم اس کے ساتھ ایک گھر میں نہیں رہتے۔ تمہیں نہیں معلوم کہ اسے سمجھنا کتنا مشکل ہے۔" وہ پھٹ پڑی۔ پھر کنپٹی پہ ہاتھ رکھا۔ "اشعر...... میں مزید کوشش نہیں کر سکتی۔ میں تھک گئی ہوں۔ تم لوگوں کے مسئلے ختم نہیں ہوئے تھے کہ نیلامی والا مسئلہ آ گیا۔ میرے ساتھ ایسا کون کر سکتا ہے؟ تم نے پتا کروایا؟"

"کروا دوں گا۔ میرے اپنے کام پھنسے پڑے ہیں ابھی۔" اس نے بے زاری سے چہرہ دوبارہ موڑ لیا۔ عصرہ نے چبھتی ہوئی نظروں سے اسے دیکھا۔

"فاتح نے کاغذات نامزدگی کیا جمع کروائے تم نے تو نظریں ہی پھیر لیں' ایش۔ تم بھول گئے ہو' میں نے تمہارے لیے اس کی فائل تک چرائی۔ اب اور کیا کروں میں؟"

"کاکا میرے سر میں درد ہے، میں آرام کرنا چاہتا ہوں۔" وہ رکھائی سے کہہ کے اٹھا' میز پہ رکھا موبائل اٹھایا اور لکڑی کے زینے اترنے لگا۔ ہر قدم کے ساتھ لکڑی کے چٹخنے کی آواز آتی تھی۔ عصرہ بے بسی بھرے غصے سے کھڑی ہوئی۔

"میں کیا کروں مزید' ایش؟ میں تھک گئی ہوں۔"

اشعر جواب دیے بنا لان پہ اترا اور آگے چلا گیا۔ اس کے ابرو تنے ہوئے تھے اور چہرے پہ برہمی تھی۔ اس نے نیلامی کے اسکینڈل کی تیاری کب سے کر رکھی تھی۔ اسے یہ معلوم نہ تھا کہ اگر اسکینڈل نہ بن سکا تو وہ عصرہ سے کیسا رویہ رکھے گا؟ اس بارے میں اس کے ذہن میں کوئی اسکرپٹ تیار نہ تھا۔ فی الوقت وہ عصرہ اور فاتح کی شکل بھی نہیں دیکھنا چاہتا تھا۔

☆☆☆

حالم کے بنگلے کو بھی بارش نے دھو ڈالا تھا۔ کھڑکیوں پہ قطرے جم گئے تھے مگر دھوپ نکلی تو وہ سوکھتے گئے۔ تالیہ اپنے کمرے کی کھڑکی کی ساتھ زمین پہ بیٹھی تھی۔ شیشے سے چہرہ ٹکا رکھا تھا اور نظریں

باہر جمی تھیں۔ رات والے سلیپنگ سوٹ میں ملبوس وہ ویران ویران سی لگ رہی تھی۔

دفعتاً دروازہ کھلا اور داتن سنجیدہ چہرہ بنائے اندر داخل ہوئی۔ ہاتھ میں ناشتے کی ٹرے تھی جو اس نے تالیہ کے قدموں کے پاس رکھی اور پھر اپنا بھاری بھرکم سراپا سنبھالتی بیڈ کے کنارے جا بیٹھی۔ اب وہ تالیہ سے دو فٹ کے فاصلے پہ تھی۔

''اگر اپنے سارے مال و دولت کو گنوانا تمہیں اتنا تکلیف دے رہا ہے تو تم نے ایسا کیا کیوں؟'' اس نے تھکی تھکی سی تالیہ کا پژمردہ چہرہ دیکھا جو گال شیشے سے ٹکائے باہر جھانک رہی تھی۔

''میں دو دنیاؤں کے درمیان پھنس گئی ہوں' داتن۔'' اس کا انداز کھویا کھویا سا تھا۔

''تالیہ ہم اچھے دوست رہے ہیں مگر اب تم راستہ بدلنا چاہتی ہو۔ تمہیں نئے نیک دوست مل گئے ہیں اور اب تمہیں پرانے دوست گناہ گار اور بھٹکے ہوئے معلوم ہوتے ہیں۔ اچھا ٹھیک ہے۔ پرانے دوست برے سہی اور نئے بہت اچھے سہی' مگر اس کا یہ مطلب نہیں کہ تم پرانے دوست سے اب دل کی بات نہیں کہہ سکتیں۔''

تالیہ نے نظریں موڑیں تو اس کی آنکھیں بھیگی ہوئی تھیں۔ ''پرانے دوستوں جیسی میں رہنا نہیں چاہتی ...... مگر نئے دوست اخلاق اور کردار میں اتنے اعلیٰ ہیں کہ ان تک میں نہیں پہنچ سکتی۔ میں کیا کروں' داتن؟''

''تم میرے جیسی کبھی نہیں تھیں۔ میں تنگو کامل کی بیوی کے سارے زیور چرانا چاہتی تھی مگر تم نے کہا کہ اس کا تاج (تیارا) چھوڑ دوں' وہ اس کی ماں کی نشانی ہے۔ تم دھوکہ دہی اور جھوٹ کی اس دنیا میں بھی دل دکھانے سے ڈرتی تھیں۔ تم تلخ اور زہر خند نہیں تھیں۔ ہنس مکھ اور خوش اخلاق تھیں۔''

''مگر میں ان جیسی بننا چاہتی ہوں۔'' اس کی نگاہ محل پہ تھی جو اونچی پہاڑی پہ بنا تھا اور اس تک جانے کے لیے کوئی سڑک نہ تھی۔

''تم کردار اور اخلاق کے اعلیٰ ترین معیار پہ پہنچ کے بھی ان جیسی نہیں بن سکتیں۔ جانتی ہو کیوں؟ کیونکہ کوئی کسی کی طرح نہیں بن سکتا۔ ہر انسان مختلف ہوتا ہے اور کیونکہ انہوں نے تمہاری طرح دو زندگیوں کے ذائقے نہیں چکھے۔ وہ سچے ہیں' اس لیے انہیں جھوٹوں سے لڑنا نہیں آتا۔ وہ ہمیشہ سیدھے راستے پہ رہے ہیں اس لیے انہیں ٹیڑھے راستے اتنی آسانی سے دکھائی نہیں دیتے۔ تمہیں دکھائی دیں گے۔ ہمیشہ دکھائی دیتے رہیں گے۔ تم بھی بننا چاہتی ہو شوق سے بنو' لیکن تم ان سے ہمیشہ مختلف رہو گی۔''

تالیہ نے دھیرے سے سر اثبات میں سر ہلایا۔

''اور یہ میرا اصل ہے' جس کے ساتھ مجھے رہنا ہے؟''

''ہاں۔ تم نے اتنے ٹیڑھ پن اختیار کیے ہیں کہ اب تم انسانوں کے وہ سارے ٹیڑھ دیکھ سکتی ہو جو تمہارے نئے دوست نہیں دیکھ سکتے۔ تم سچ جھوٹ کی پہچان ان سے بہتر کر سکتی ہو کیونکہ تم اس سب سے گزر چکی ہو۔''

تالیہ نے جواب نہیں دیا۔ وہ پھر سے گردن موڑ کے کھڑکی سے باہر دیکھنے لگی۔

داتن چلی گئی اور کمرے میں کافی دیر خاموشی پھیلی رہی تو اس نے فرش پہ رکھا سیاہ موبائل اٹھایا اور ایک نمبر ملایا۔ پھر اسپیکر آن کر کے موبائل ہاتھ میں پکڑ لیا اور گال گھٹنوں پہ رکھ دیا۔

''کیسے ہو' حالم؟'' چند گھنٹیوں کے بعد وان فاتح کی آواز سنائی دی۔ اس کا سانس اتھل پتھل لگتا تھا جیسے وہ بھاگتا ہوا آ رہا ہو۔ یقیناً وہ صبح کی جاگنگ کر رہا تھا۔

''فاتح صاحب...... آپ کے کام ابھی تک نہیں ہو سکے' مگر......''

''میں نے پوچھا...... کیسے ہو تم؟'' وہ نرمی سے پوچھ رہا تھا۔ تالیہ کی آنکھیں بھیگنے لگیں۔ بن باؤ کا غلام مجسمہ بناتی شہزادی سے ایسے ہی نرمی سے مخاطب ہوا کرتا تھا۔

''ٹھیک ہوں۔ ایک مسئلہ پوچھنا تھا آپ سے۔''

"میرا خیال تھا تم اکثر مسئلے خود حل کر لیتے ہو۔خیر پوچھو۔" وہ تیز تنفس کے درمیان بولا۔رفتار آہستہ کردی تھی۔

"آپ legislator ہیں۔قانون بناتے ہیں۔خود بھی وکیل رہے ہیں۔مجھے بتائیں یہ treasure trove ایکٹ کیا ہے؟"

"خزانہ ڈھونڈنے والوں کے فرائض، رائٹ؟ اس میں یہ ہوتا ہے کہ اگر آپ کو ملائیشیا میں کوئی مدفن خزانہ ملے تو آپ کو فوراً اس شہر کے ڈسٹرکٹ آفیسر کو اطلاع دینی ہوتی ہے۔"

"اور اگر کوئی اطلاع دینے کے بجائے وہ خزانہ خود رکھنا چاہے تو؟"

"تو یہ جرم ہے۔"

"لیکن اگر خزانہ اس کے اپنے آباؤاجداد کا ہو یا اس نے خود دبایا ہو..... تو یہ جرم کیسے ہوا؟"

"پچاس سال گزر جانے کے بعد مدفن چیزیں سرکار کی ملکیت بن جاتی ہیں' ہاں اگر کوئی یہ ثابت کر سکے کہ اس نے خزانہ خود دبایا تھا یا واقعی اس کے آباؤاجداد کا ہے' تو وہ اسے مل سکتا ہے۔"

"ثابت نہیں کیا جا سکتا لیکن اگر ہمیں خود معلوم ہو کہ ہم سچے ہیں... کیا تب بھی ہم وہ خزانہ خود نہیں رکھ سکتے؟ اللہ تعالیٰ بھی جانتا ہو کہ ہم سچے ہیں' تب بھی نہیں؟"

"اللہ تعالیٰ کو تو سب معلوم ہوتا ہے مگر وہی ہمیں کہتا ہے کہ ہمیں لا آف دا لینڈ کی پاسداری کرنی ہے اور ملک کا قانون ثبوت مانگتا ہے۔"

"فاتح صاحب!" اس نے آنکھیں رگڑیں۔

"اگر انسان ایک راستے سے تائب ہونے کا عہد کرلے مگر پھر ایک موقع آئے۔ایک temptation سامنے ہو تو کیا ایک آخری مرتبہ اس کو چکھا جا سکتا ہے؟ بس یہ آخری ہو' اس کے بعد وہ عہد کرے کہ وہ ہر رغبت سے اجتناب کرے گا۔"

"اور اگر وہ امتحان آخری امتحان ہوا؟ اگر اس کے بعد امتحان ہی نہ ہوتا ہو اور اسی کے اوپر ہمیشہ کے لیے پاس یا فیل ہونے کا فیصلہ کیا جاتا ہو؟ تب؟"

کھڑکیوں پہ ایک دم سے بوندیں برسنے لگیں۔بارش پھر سے شروع ہوگئی تھی۔تالیہ نے بے اختیار چہرہ شیشے سے دور کیا۔

"توبہ کا وقت تو موت تک ہوتا ہے' فاتح صاحب۔"

"دیکھو حالم... کچھ امتحانات میں سپلی آجاتی ہے اور کچھ کو فیل کرنے کی صورت میں کالج سے نکال دیا جاتا ہے۔لیکن کچھ امتحانات انٹری ٹیسٹ ہوتے ہیں۔ایک نئے طرز زندگی میں داخلے کا امتحان۔ان کو فیل کیا تو آپ داخل ہی نہیں ہوں گے۔بعد میں توبہ کر بھی لیں تو کس نے گارنٹی دی ہے کہ توبہ قبول بھی ہوگی؟"

"اپنی زندگی کی سب سے بڑی خواہش سامنے ہو تو اسے کیسے چھوڑا جائے' فاتح صاحب؟ اتنا بڑا دل کوئی کہاں سے لائے؟"

"دیکھو حالم! جب اللہ تعالیٰ ہمیں امتحان میں ڈال کے محبوب چیز اور درست چیز کے چناؤ کا موقع دیتا ہے تو اس کا مطلب ہوتا ہے کہ ہمارے اندر اچھائی کی رمق باقی ہے۔ابھی سیدھا راستہ ہمارے قدموں سے مایوس نہیں ہوا۔سیدھے راستے کی خود سے لگی یہ امید نہیں توڑنی چاہیے۔ایک طرف سے رزق نہیں آئے گا تو کسی دوسری طرف سے آجائے گا۔اتنا تو اچھائی کی طاقت پہ بھروسا رکھو نا!" وہ اب تیز تیز چلتے ہوئے اسے سمجھا رہا تھا۔تالیہ سے مزید کچھ نہ کہا گیا۔اس کے آنسو گرنے لگے۔وہ ابھی بول ہی رہا تھا جب اس نے کال کاٹ دی اور فون پرے ڈال دیا۔

سارے فیصلے اس برستی بارش نے کروا دیے تھے۔

باقی آئندہ ماہ ان شاء اللہ